حیات ائمہ اربعہ

رحمھم اللہ

مؤلف

حضرت علامہ ومولانا **کریم اللہ** رضوی

استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت

ناشر

دارالعلوم فیضان حافظ ملت ''طیبہ مسجد''

بھگت سنگھ نگر نمبر ۱، لنک روڈ گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی

حیات ائمۂ اربعہ | مولانا کریم اللہ رضوی

کتاب: .... حیات ائمہ اربعہ

مؤلف: .... حضرت علامہ ومولانا کریم اللہ صاحب رضوی

تصحیح: .... ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا انجم القادری مصباحی

استاذ دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ، امبیڈکر نگر، یوپی

حضرت علامہ ومولانا حسنین رضا مصباحی

رئیس المدرسین دارالعلوم فیضان حافظ ملت

نظر ثانی: .... حضرت مولانا محمد زماں مصباحی رضوی صاحب

صدر المدرسین دارالعلوم عیدالاسلام، گونڈی

سن اشاعت: .... ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

کمپوزنگ: .... مولانا محمد ارشاد احمد مصباحی برکاتی

استاذ دارالعلوم مخدومیہ، جوگیشوری 9833844851

بسعی واہتمام: .... حضرت علامہ حافظ وقاری غلام جیلانی صاحب قبلہ

شیخ التجوید دارالعلوم فیضان حافظ ملت

ناشر: .... دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبر ۱

گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

فہرس

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے ان عظیم دینی رہنماؤں کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جنہیں دنیاے اسلام امام عشق و محبت امام اہل سنت الشاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت الشاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، شیخ المشائخ حضرت شعیب الاولیاء شاہ محمد یار علی و مظہر شعیب الاولیاء حضرت صوفی محمد صدیق احمد المعروف خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہم، کے نام سے جانتی ہے۔ نیز اپنے پیرومرشد تاج الشریعہ حضور اختر رضا خان ازہری میاں اور جملہ اساتذہ کرام خصوصاً استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ومولانا مفتی الحاج آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ والرضوان، جن کی بے لوث مساعی جمیلہ اور پرخلوص دعاؤں کا یہ صلہ ہے کہ مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی ورنہ اس حقیر کے اندر وہ صلاحیت کہاں کہ خود سے اس کتاب کو آپ کے سامنے پیش کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان حضرات کی تربت اقدس پر رحمت و نور کی بارش نازل فرمائے اور انہیں کے وسیلہ سے اس ادنیٰ خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ میرے اور میرے والدین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ خصوصیت کے ساتھ جن اہل خیر حضرات کی امداد سے یہ کتاب منظر عام پر آئی، اللہ تعالیٰ ان کے ہر جائز مقاصد کو پورا فرمائے اور مزید خدمت دین کا شوق عطا فرمائے۔ آمین۔

کریم اللہ رضوی

ضروری گذارش

اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اس میں آپ کو کچھ کمی یا غلطی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کرلی جائے۔

رابطہ نمبر: 8108397365

تشکر و امتنان

میں ممنون کرم ہوں شیخ المعقولات والمنقولات استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ رضوی مدظلہ العالی، افضل المدرسین استاذی المکرّم حضرت علامہ انجم القادری مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی، محبوب المشائخ حضرت علامہ شرافت حسین صاحب قبلہ برکاتی اور احسن الحفاظ حضرت حافظ وقاری محمود احمد قادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کا کہ ان علماے کرام نے اپنی تقدیم و تقریظات اور دعائیہ کلمات کے ذریعہ کتاب مندرجات پر تصدیق ثبت فرمائی۔

ارمغان تشکر پیش کرتا ہوں گرامی قدر حضرت علامہ محمد حسنین رضا صاحب، حضرت علامہ کلیم اللہ صاحب اور دیگر علماے کرام کا کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود بڑی عرق ریزی اور لگن کے ساتھ مسودہ پر نظر ثانی اور تصحیح فرما کر میری اس حقیر کاوش کی عظمت کو دوبالا کردیا۔

ان مراحل کے بعد جب سب سے اہم اور سخت مرحلہ (طباعت کا) درپیش ہوا تو جن علماے کرام اور احباب نے میرے ہر کام پر مدد کی اگر میں ان کو فراموش کردوں تو یہ میری کم ظرفی اور احسان فراموشی ہوگی۔ خصوصیت کے ساتھ حاجی انور پٹیل صاحب اور فخر القراء حضرت علامہ حافظ وقاری الحاج غلام جیلانی صاحب قبلہ اطال اللہ عمرہ اور ان کے متعلقین ومتوسلین انتہائی مخلصانہ طور پر کتاب کی طباعت میں دلچسپی لے کر سرمایہ کا انتظام فرمایا جس کی وجہ سے میں آپ کی خدمت میں اپنی قلمی کاوش پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

مولیٰ تعالیٰ ہمارے ان کرم فرما علماے کرام کو سماوی وارضی بلاؤں سے محفوظ و مامون رکھے اور ان مخیّر حضرات کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور سکینہ پٹیل اور ان کے اہل خانہ کے تمام مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرما کر جوار رحمت میں بہترین مقام عطا فرمائے. **آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم.**

فقط طالب دعا
کریم اللہ رضوی
۹ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

تقدیم بے مثیل

نازش علم وفن جامع معقولات ومنقولات استاذالعلما حضرت علامہ ومولانا
مفتی شبیرحسن صاحب قبلہ رضوی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، ضلع فیض آباد یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

امابعد! زیرنظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' مولانا کریم اللہ صاحب قبلہ رضوی کی عرق ریزی وجانفشانی کا ثمرہ ہے۔اس کتاب میں موصوف نے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اوراحمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ اوران کی خدمات جلیلہ پرروشنی ڈالی ہے۔اورامت مسلمہ کے سامنے ان اساطین فقہ وافتاء کے تقویٰ وطہارت، علم وورع، زہدواتقاء، عدالت وثقاہت، ذکاوت وذہانت، فراست وفطانت، بلندی خیال، دقیق النظری وژرف نگاہی، ملکۂ اجتہاد اورقوت استنباط کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی قابل تعریف جدوجہد کی ہے۔

آج ہم جس پرآشوب دور میں اپنی حیات مستعار کے لمحات گزاررہے ہیں، مذہب بیزاری کا جو رجحان فروغ پارہاہے۔اورتقلیدائمہ اربعہ کے خلاف جوطوفان بدتمیزی برپا کرکے نسل جدید کوفریب دیا جارہاہے اس کا تقاضہ ہے کہ ان پاکیزہ ہستیوں کی خدمات دینی، تقویٰ وپرہیزگاری، خوف وخشیت ربانی، تفقہ فی الدین، اوراستخراج مسائل کے اصول وقوانین اورمناہج واسالیب کوجدیدطرز میں پیش کیاجائے تاکہ نسل نوتقلید کے دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بن کرشتر بے مہار کی زندگی گزارنے سے محفوظ رہ سکے،اورائمہ کرام کے خلاف جوالزام تراشیاں کی جاتی ہیں ان سے آگاہ ہوسکے۔

یوں تو ایک مخصوص فرقہ کی طرف سے ائمہ اربعہ کے خلاف زہرافشانی کی جاتی رہی، مگرسیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات اوران کی فقہی خدمات پرجورکیک حملہ کیا گیا وہ بہت دلخراش ہے۔کبھی ان کی ثقاہت پرکلام کرکے اپنی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا گیا،کبھی ان کوقلیل الروایۃ اورقلیل الحدیث قرار دے کرفقہ حنفی کی پرشکوہ ودیدہ زیب عمارت کومتزلزل کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی،اورکبھی ان کومرجۂ کہہ کران کی عدالت وطہارت کومشکوک بنایا گیا۔اورحیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ آپ کے سلسلہ میں

یہ اوہام وخرافات بعض ذہنوں میں عہدقدیم سے ہی پائے جاتے ہیں اورعصرجدید میں غیرمقلدین انھیں کا سہارالے کرعوام کالانعام کوگمراہ کرنے کی پیہم کوشش کررہے ہیں۔اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ معاندین کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو باخبر کیاجائے۔ان کے الزامات کاتحقیقی جائزہ لے کر عوام کومطلع کیاجائے تاکہ وہ ان کے دام فریب میں گرفتار نہ ہوسکیں۔مثلاً سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ثقاہت کے حوالہ سے معدودے حضرات نے جرأت گفتاری کی ہے۔مگراصول جرح وتعدیل کے پیش نظر ان کا کلام لغووبے کار ہے۔کیوں کہ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت اورتسلیم شدہ امر ہے کہ جس کی ثقاہت وعدالت مشہور ومعروف ہواس کے حق میں کسی بھی جارح کی تجریح قابل قبول نہ ہوگی بلکہ مردود ومطرود ہوگی۔چنانچہ ثبوت عدالت وثقاہت کے طرق کا ذکرکرتے ہوئے فرمایا گیا:

''معرفة العدالة امور، منها(الشهرة) والتواتر(كمالک) الامام (والاوزاعی و) عبدالله (بن المبارک وغیرهم) كالامام ابی حنیفة وصاحبیه وبواقی اصحابه والامام الشافعی واحمدبن حنبل وسائر الائمة الكرام قدس سرهم (لانها فوق التزكیة) فی افادة العلم بالعدالة'' (فواتح الرحموت،۲/۱۸۳)

مولانا کریم اللہ صاحب نے اس کتاب میں ائمہ کے تعلق سے مختلف مباحث کا احاطہ کیا ہے۔اورانھیں پرکشش اسلوب بیان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اوراکثر مقام پرحوالہ بھی سپردقرطاس کیا ہے۔ جس سے اس کا وزن بڑھ جاتا ہے۔بالجملہ یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔اس کتاب سے جہاں ائمہ اربعہ کی پاکیزہ حیات کے متعدد گوشے ابھرکرسامنے آجائیں گے اورقارئین کے لئے نمونۂ عمل بنیں گے وہیں ان نفوس قدسیہ کے خلاف شکوک وشبہات بھی زائل ہوں گے۔اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ اس کتاب کوقبول عام فرمائے،اورمولانا موصوف کے قلم کوسیال بنائے،اورمزید خدمات کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

فقط دعاگوودعاجو

شبیرحسن رضوی غفرلہ القدیر القوی

خادم التدریس والافتاء الجامعۃ الاسلامیہ

قصبہ رونا ہی،فیض آباد،یوپی

تقدیم

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ ومولانا **محمد ایوب** صاحب قبلہ قادری
ناظم تعلیمات وسابق صدرالمدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداو مصلیاو مسلما

رب کریم کا بے پایاں شکرو احسان ہے کہ اس نے ہمیں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف تحیۃ) کا فرد ہونے کے فخر سے مشرف فرمایا اور اس کا بے کراں فضل وانعام ہے کہ اس نے ہمیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کا شرف بخشا جن کو مجتہدین کی صف میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ چوں کہ زیر نظر کتاب ”حیات ائمہ اربعہ“ چار ائمہ مجتہدین کے تذکرۂ جمیلہ پر مشتمل ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کی قدرے توضیح وتشریح اور اس کی عظمت وجلالتِ شان پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تاکہ مجتہدین کرام کی عظمتوں کا اندازہ لگایا جاسکے۔

اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے علامہ عبدالحلیم فرنگی محلی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: اجتہاد یہ ہے کہ فقیہ (مجتہد) کسی حکم شرعی کے استخراج میں اپنی طاقت وتوانائی اس طرح صرف کرڈالے کہ مزید طاقت صرف کرنے سے اپنے اندر عاجزی محسوس کرے۔ (حاشیہ قمر الاقمار علی نور الانوار: ص ۲۵۰)

اجتہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی مجتہد سے کسی پیش آمدہ واقعہ اور مسئلہ سے متعلق استفسار ہو جس مسئلہ میں اس سے قبل کسی سابق مجتہد نے اجتہاد نہ کیا ہو تو اس مسئلہ میں اجتہاد سے حکم شرع دریافت کرنا مجتہد پر فرض عین ہوتا ہے اور اگر اس مسئلہ نازلہ میں پہلے سے کسی مجتہد کا اجتہاد موجود ہو تو سائل اس پر عمل کرسکتا ہے۔ اور وہ مسائل جو ابھی رونما نہ ہوئے ان کے بارے میں اجتہاد فرض کفایہ ہے۔ جب کہ متعدد مجتہدین موجود ہوں۔ اور اگر متعدد مجتہدین نہ ہوں بلکہ ایک ہی مجتہد ہو تو ان مسائل میں بھی اجتہاد فرض عین ہے جو ابھی رونما نہیں ہوئے ہیں۔ ہاں البتہ اس صورت میں اگر کسی سابق مجتہد سے اس امکانی مسئلہ کا قابل عمل حکم محفوظ ہو تو اجتہاد فرض عین نہیں رہ جاتا ہے۔ (ایضاً)

مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہونے کے لئے کس قدر علوم وفنون پر کامل مہارت ودستگاہ اور تبحر کی ضرورت ہے اس کا اندازہ ان شرطوں سے کیا جاسکتا ہے جو کسی مجتہد کے لئے ضروری ہے۔ اجتہاد کی شرطوں کا بیان کرتے ہوئے صاحب منار علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمہ اللہ اور صاحب نورالانوار حضرت علامہ ملاجیون رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ صاحب اجتہاد کتاب اللہ کا علم اس طور پر رکھے کہ اس میں موجود آیات احکام کے لغوی، شرعی معانی اور ان کے نظم ومعنی کے وجوہ و اقسام پر اس کو کامل عبور ہو۔ یوں ہی اس کو اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور علم السنہ کے اقسام ووجوہ کا مبصرانہ استحضار ہو۔ نیز وہ قیاس کی مقررہ شروط کی پابندی کے ساتھ اس کے طریقوں کی معرفت رکھتا ہو۔ (نورالانوار: ص ۲۵۰)

خدائے علیم وحکیم جب کسی خوش نصیب کو درجۂ اجتہاد پر فائز فرمادیتا ہے اور وہ مقررہ شروط وآداب کی پابندی کے ساتھ اجتہاد کرتا ہے تو اگر ایسا شخص صحیح نتیجہ تک نہ بھی پہونچے تب بھی وہ رب ذوالجلال کی بارگاہ عظمت سے اجر سے محروم نہیں رہتا ہے۔ صدرالافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعہ کے بیان میں وارد آیت کریمہ ”**وکلا آتینا حکما وعلما**“ (انبیاء: ۷۹) کے تحت تحریر فرمایا ہے: ”جن علماء کو اجتہاد کی اہلیت حاصل ہوانھیں ان امور میں اجتہاد کا حق ہے جس میں وہ کتاب وسنت کا حکم نہ پائیں۔ اور اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو بھی ان پر مواخذہ نہیں“۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے، سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”جب حکم کرنے والا اجتہاد کے ساتھ حکم کرے اور اس حکم میں مُصِیب ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو ایک اجر ہے“۔ (تفسیر خزائن العرفان۔ سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۷۹)

مجتہدین عظام کو رسول اکرم ﷺ کس درجہ پسند فرماتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث پاک سے کیا جاسکتا ہے۔ جس کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ رحمہم اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش آئے تو کس طرح فیصلہ کروگے۔ عرض کی، کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ عرض کی، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

فرمایا اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اجتہاد کرنے میں کمی نہ کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے (فرط مسرت سے) ان کے سینہ پر مارا اور کہا کہ حمد اللہ عزوجل کے لئے جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول علیہ السلام خوش ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ج۲،ص۴۲۴)

یوں تو اللہ رب العزت نے اپنے فضل بے کراں سے اس امت میں بہت سارے مجتہدین پیدا فرمائے، جنھوں نے اپنے مقررہ اصول اجتہاد کی روشنی میں امت مسلمہ میں آنے والے مسائل کا شرعی حل پیش کیا۔ یوں ہی انھوں نے اپنی اجتہادی صلاحیت سے مستقبل میں پیش آنے والے حوادث و واقعات کا حکم بھی اس طرح سے بیان کردیا کہ ان کی پیروی کرنے والے ان کی روشنی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا حل نکال سکتے ہیں۔ مگر انھیں مجتہدین کی پاکیزہ جماعت میں چار ایسے خوش نصیب ہیں جن کے اجتہاد کو امت مسلمہ میں جو قبولیت عامہ نصیب ہوئی وہ دوسروں کے حصہ میں نہ آسکی۔ یہ چار مجتہدین (امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ، محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ) اس طرح مشہور ومعروف ہیں کہ امت مسلمہ کا ہر خواندہ ناخواندہ شخص ان سے واقف ہے۔ ان پر اللہ رب العزت کا یہ خصوصی فضل وانعام ہوا کہ ان کے اجتہادی مسائل ہزار آفات ومصائب کے باوجود ذخیرۂ کتب میں محفوظ رہے اور آفاق عالم میں ان کے متبعین پھیل گئے۔ اور آج بھی روئے زمین پر جہاں کہیں بھی اہل سنت والجماعت ہیں وہ ان ہی چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی پیروی کرتے ہیں اور اسی میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ خاص کر امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فقہی مذہب کو شرق وغرب میں وہ عروج وشہرت اور قبولیت عامہ نصیب ہوئی جو دوسرے ائمہ کے فقہی مذاہب کو میسر نہ ہوسکا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء.

زیر نظر کتاب حیات ائمہ اربعہ انھیں چاروں ائمہ جلیل الشان کی سیرت طیبہ کے تابناک نقوش ہیں، ان کے فضائل ومناقب اور ان کی اجتہادی بصیرت کے دل آویز تذکرہ پر مشتمل ہے۔ یوں تو ان ائمہ کرام کا تذکرہ متفرق کتابوں میں الگ الگ عام طور پر دستیاب ہے، لیکن فاضل مؤلف حضرت علامہ

مولانا کریم اللہ صاحب رضوی استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت ''مسجد طیبہ'' زید علمہ نے معتبر حوالہ جات کی روشنی میں ان مقدس نفوس قدسیہ کی پاکیزہ سیرت، ان کی علمی جلالت اور حیرت انگیز اجتہادی صلاحیت کا بیان بڑے شائستہ پیرایۂ بیان میں یکجا کردیا ہے۔ میں نے متفرق مقامات سے اس کتاب کو پڑھا اور محسوس کیا کہ فاضل مؤلف نے اس کتاب کی ترتیب میں تحقیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور محنت شاقہ سے اس کو قلمبند کیا ہے۔ اس عظیم علمی خدمات پر بجا طور وہ پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے تبریک وتحسین کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ رب کریم اس کتاب کو مقبول انام بنائے اور مؤلف گرامی کو مزید کتابیں تالیف کرنے کی توفیق خیر سے نوازے۔ وھو الموفق لکل خیر وھو المستعان.

محمد ایوب قادری
ناظم تعلیمات دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، یوپی
۱۲/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۳/جولائی ۲۰۱۲ء

۷۸۶/۹۲

تقریظ

ادیب شہیر فاضل جلیل حضرت علامہ ومولانا **وصی احمد صاحب وسیم صدیقی** وائس پرنسپل الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، فیض آباد یوپی

اسلامی تاریخ کے سارے ابواب روشن ہیں۔ البتہ کچھ ابواب روشن ترین ہیں۔ انھیں روشن ترین ابواب میں سے ایک نہایت روشن ترین باب امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات کا ہے۔ ذہانت وفطانت تقویٰ وثقاہت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

آپ اس امت کے انگلیوں پر شمار کئے جانے والے ان چند عظیم افراد میں سے ایک فرد ہیں جنھوں نے اپنی دینی خدمات کے صلہ میں اہل دنیا سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ نہ آپ نے خلیفہ وقت سے کوئی عہدہ ومنصب طلب کیا نہ ہی کسی سرمایہ دار سے کوئی نذرانہ وصول کیا بلکہ خلیفۂ وقت کی جانب سے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب کی پیشکش کوشان بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ اور اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کو ہی اپنے لئے سب سے بڑا اعزاز تصور کیا۔ اور اپنی ساری دولت وثروت جو بذریعہ تجارت حاصل کی تھی اشاعت دین کی راہ میں خرچ کر دیا۔

فاضل جلیل مولانا کریم اللہ صاحب نے حیات ائمہ اربعہ سیدنا امام اعظم، سیدنا امام مالک، سیدنا امام شافعی اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی حیات وخدمات کے تعلق سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا پہلا حصہ جو سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ہے، میری نظر سے گزرا ہے۔ مستند احوال وکوائف پر مشتمل ہے۔ کتاب لائق مطالعہ ہے اور فاضل جلیل قابل ستائش ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب کو مقبول بنائے اور مصنف کتاب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

وصی احمد وسیم صدیقی

دعائیہ کلمات

باسمہ تعالیٰ و تقدس

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ استاذنا المکرّم حضرت علامہ **محمد انجم القادری** صاحب مصباحی
استاذ دار العلوم منظر حق ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف
چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام

اللہ عزوجل نے ائمہ اربعہ کی جو محبت نیکوں کے دل میں رکھی ہے وہ زمانۂ خیر سے لے کر اب تک ترقی پذیر ہے۔ یہ ان کے فضل وکمال، اخلاص عمل، تقرب خداوندی اور رضائے مولیٰ واضح نشانیوں سے ہے کہ ان کے دور سے لیکر اب تک ہزاروں ہزار چھوٹی، بڑی جلد در جلد مختلف زبانوں میں کتابیں ان کے تعلق سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں، اور ہنوز سلسلہ جاری ہے، اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا کہ دنیا کے جس خطے، علاقے میں ان کے مذہب مہذب کا آفتاب درخشندہ ہے وہاں ان کے ذکر ومدح کی شعائیں اہل ایمان کی روحانیت کو منور کر رہی ہیں۔

ان نفوس قدسیہ نے اخلاص عمل کی جو شجرکاری دین کی سرزمین پر کی وہ بفضلہ تعالیٰ اکناف عالم میں خوب پھلے، پھولے، پھلے اور اہل اسلام نے خوب، خوب استفادہ کیا اور ان کی عقیدت ومحبت کا چراغ ہر قریہ، ہر شہر میں روشن کئے کہ اپنے محسن سے محبت اللہ کا عطیہ ہے۔ (جبلت القلوب علیٰ حب من أحسن الیہ)

اہل زبان وقلم ان کی بارگاہوں میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے ان کے نفع بخش علم وعمل، پاکیزہ سیرت وکردار کی تشہیر کر رہے ہیں، اور ان کے خیر وبرکت سے اپنا دامن بھر رہے ہیں (الخیر ما أکابر کم)

عزیزم مولانا کریم اللہ (زادہ اللہ تعالیٰ علماً وفضلاً) ان اسلاف کرام کی بارگاہوں میں پہلی بار اپنی یہ قلمی سوغات اس امید پر پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں کہ،

ع لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

مولیٰ تعالیٰ ان کی خواہش نیک قبول فرمائے، بزرگوں کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے، زبان وقلم میں قوت وتاثیر پیدا کرے اور خدمت اسلام ومسلمین کا مخلصانہ جذبہ مرحمت فرمائے۔

یہ دور جس میں لکھنے، پڑھنے کے ذوق کو لہوولعب کا دیمک چاٹ رہا ہے، دن بدن دینی کتابوں سے دوری بڑھتی جارہی ہے، مولانا کی یہ کاوش بہرحال لائق تعریف وتحسین ہے۔ اس نوعمری میں ان کی یہ قلمی کوشش مبارک بادی کی مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ انھیں دین ودنیا کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

الراجی عفو ربہ وشفاعۃ حبیبہ

محمد انجم القادری مصباحی

دارالعلوم منظرحق، ٹانڈہ (یوپی)

۳۰/۷/۱۴۳۳ھ

۲۱/۶/۲۰۱۲ء

فخریہ کلمات

معمار قوم وملت حضرت حافظ وقاری **محمود احمد** صاحب قبلہ قادری

بانی وناظم اعلیٰ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر، گورے گاؤں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

فاضل جلیل حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رضوی صوبہ اتر پردیش ضلع گونڈہ کے ایک گاؤں گلرہوا کے رہنے والے ایک نوجوان باصلاحیت عالم دین ہیں۔ تقریباً دو سال پہلے دارالعلوم فیضان حافظ ملت میں دو ماہ کے لئے ان کی عارضی تقرری ہوئی بعدہ ان کی علمی قابلیت اور انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم کا مستقل استاذ اور نگراں مقرر کردیا گیا۔

اور آج ان کی گراں قدر تالیف ''حیات ائمہ اربعہ'' دیکھ کر میں بجا طور پر فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ الحمد للہ میرا انتخاب بالکل صحیح ودرست تھا۔

تدریسی خدمات اور ہمہ وقت نگرانی کی ذمہ داری کے باوجود مولانا موصوف نے ایک جامع اور معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والثنا کے صدقہ وطفیل ان کی اس کتاب کو قبول عام کا درجہ عنایت فرمائے۔ اور آئندہ مزید دینی تصنیفی خدمات کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم

دعا گو

محمود احمد قادری

۸/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۲۹/جون ۲۰۱۲ء

تقریظ جلیل

فیض یافتہ بارگاہ سید العلما حضرت علامہ **شرافت حسین** صاحب قبلہ برکاتی زیدت مکارمہ العالیہ

سربراہ اعلیٰ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد امت مسلمہ پر سب سے زیادہ احسان فقہا، محدثین اور ائمہ مجتہدین کا ہے۔ جن کی بے پناہ قربانیوں کے باعث مسلک حق اور دین حنیف اپنے کلیات وجزئیات کے ساتھ ہمیں میسر ہوا اور اس طویل دور میں اسلام کا حقیقی چہرہ محفوظ رہا۔ انھیں فقہا اور مجتہدین میں ''ائمہ اربعہ'' کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنھیں کسی قیمت پر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ انھیں کے دم قدم سے شریعت کی بہاریں قائم ہیں۔ انھوں نے قرآن وسنت اور اقوال صحابہ نیز قیاس واجتہاد کے ذریعہ ایک ایسا جامع اور مانع اسلامی قانون وضع کیا جو قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اسی اسلامی قانون کو فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی سے موسوم کیا گیا جسے ہم مذاہب اربعہ کے نام سے بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور حق وصواب انھیں چاروں مذاہب کے ساتھ مختص ہے اور انھیں کی تقلید وپیروی کرنے کا علمائے کرام نے حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری راہ اپنانا سراسر گمراہی اور مخالفت اجماع ہے۔ زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' انھیں پیشوایان شریعت کے ذکر جمیل میں مرتب کی گئی ہے، جو باب تقلید میں دنیائے سنیت کے پیشوا ہیں۔

مگر افسوس کہ آج کل عام مسلمان ان ائمہ کرام کے مقام ومراتب اور فضل وکمال سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا وقت کی ضرورت تھی کہ عوام الناس کو ان نفوس قدسیہ کے حالات سے واقف کرایا جائے اس ضرورت کی تکمیل کے لیے عزیزم مولانا کریم اللہ صاحب رضوی (استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، گورے گاؤں) نے بڑی جامعیت ومانعیت کے ساتھ عمدہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

امید ہے کہ برادران اسلام اس سے استفادہ کر کے مؤلف کو اپنی مخصوص دعاؤں میں یاد کریں گے۔

فقط دعا گو

شرافت حسین برکاتی

تقریظ

عالم نبیل فاضل جلیل عمدۃ المدرسین حضرت علامہ الحاج **محمد حسنین رضا** مصباحی صاحب قبلہ

صدر المدرسین دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی لاواجب غیرہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

''پدرم سلطان بود'' کے مقابلے میں ''خود کردہ کی'' شناخت دل پذیر اور ناقابل شکست ہوتی ہے۔ سچ یہی ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، مکان اپنے مکین سے شہرت پاتا ہے اور شخصیت اپنی خدمات کے آئینہ میں ممتاز اور پرکشش نظر آتی ہے۔ ادیب شہیر حضرت علامہ کریم اللہ صاحب رضوی کی شخصیت اپنی خدمات سے متعارف ہوئی اور انشاء المولیٰ تعالیٰ ان کی شناخت ومقبولیت میں روز افزوں اضافہ وترقی ہوتی رہے گی۔

تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، مقالہ نگاری ومضمون نویسی خدمات کے الگ الگ دائرے ہیں۔ اگر کسی ایک میدان میں بھی کسی کو مقبولیت مل جائے تو اس کے لئے سرمایہ افتخار ہوتا ہے۔ حضرت علامہ کریم اللہ صاحب رضوی ان تمام میدانوں میں اپنی ایک منفرد شان اور الگ پہچان رکھتے ہیں۔ زیر نظر تالیف ''حیات ائمہ اربعہ'' ان کی فکر وتحقیق، دین ودانش اور زبان وبیان کا شاہکار ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جب کہ غیر مقلدیت ایک بار پھر اپنے خونی پنجے گاڑ رہی ہے۔ علامہ موصوف نے ائمہ اربعہ علیہم الرضوان والرحمۃ کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ''تقلید کی ضرورت کیوں'' کے عنوان سے ایک گراں قدر مقالہ شامل کتاب کر کے جہاں اپنے عظیم مطالعہ کا نچوڑ پیش کیا ہے وہیں کتاب کی افادیت واہمیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔

رب عزیز وقدیر اپنے حبیب بشیر ونذیر کے صدقہ وطفیل اس کتاب مستطاب کو قبولیت عامہ اور افادیت تامہ کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ وعلیٰ اٰلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

محمد حسنین رضا

۸/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ/۲۹/جون ۲۰۱۲ء بروز جمعہ مبارکہ

قلبی احساسات

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ ومولانا **محمد زماں** رضوی صاحب قبلہ

صدرالمدرسین دارالعلوم رضویہ عیدالاسلام گوونڈی، ممبئی

حامداً و مصلیاً ومسلماً

انسان تقلید کا خوگر ہے وہ فطری طور پر دوسروں کی پیروی کرتا ہے، تقلید کا وجود ہر زمانے میں رہا۔ جب تک آقائے دو جہاں ﷺ حیات ظاہری میں تشریف فرما تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مسائل آپ کی بارگاہ میں پیش کردیا کرتے تھے جو کچھ حکم ہوتا عمل کرتے، آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا ایک دن ''**اکملت لکم دینکم**'' کا پیغام آہی گیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ظاہری نظروں سے روپوش ہوگئے، اب نئے مسائل کے حل کے لئے اکابر صحابہ اجتہاد کرتے اور عام صحابہ کرام ان کی تقلید کرتے۔ یہ سلسلہ تابعین کے زمانے تک چلتا رہا لیکن اس اجتہاد واستنباط کے لئے اصول وقوانین مدون نہیں کیا گیا تھا۔ اس کام کا آغاز امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوا۔

امام اعظم کے بعد امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی تفصیل اس کتاب میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

ان ائمہ کرام نے لوگوں کے لئے دین آسان کردیا۔ ان کے متعین کردہ اصول وقوانین کی روشنی میں آج تک علمائے ربانین نو پید مسائل کا حل تلاش کرتے رہے۔ اہل اسلام کی اکثریت انہیں اپنا امام اور پیشوا مانتی چلی آئی۔ لیکن کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے دماغ میں کجی اور دلوں پر مہر لگی ہے۔ انہوں نے نہ صرف تقلید کی مخالفت کی بلکہ ان ائمہ کرام سے دشمنی جتانے پر تل گئے۔ ان کے آسمان علم پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش کی، ان پر طعن وتشنیع کی۔ ان کی ذات سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی نازیبا حرکت کی۔

لہٰذا ضرورت پیش آئی کہ ان عظیم محسنوں کی دینی خدمات اور علمی جلالت کو سادہ انداز میں عوام تک پہونچایا جائے۔ اس کار خیر میں متعدد حضرات نے اپنی خدمات پیش کی ہیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' بھی ہے جس کو مولانا کریم اللہ صاحب رضوی نے بڑی عرق ریزی کے

ساتھ ترتیب دیا ہے۔ کتاب علمی ومعلوماتی دونوں حیثیتوں سے کافی اہم اور مفید ہے، آپ اس کے اندر ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے چمنستان حیات کے گوناگوں پھولوں کی خوشبو محسوس کریں گے۔

مولانا کریم اللہ رضوی صاحب ایک ممتاز ادارہ دارالعلوم فیضان حافظ ملت (گوریگاں) کے شیخ الادب ہیں مذکورہ ادارہ تعلیمی وتربیتی اعتبار سے اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔ طلبہ کے اندر پائی جانے والی علمی لگن اور پابندی صلاۃ مدرسین واراکین ادارہ کی سعئی پیہم کی غماز ہے۔

دعاء ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کتاب کو مقبول عام وخاص فرمائے، موصوف کے علمی پایہ کو بلندی عطا کرے اور ادارہ بام عروج بخشے۔ آمین

محمد زماں رضوی

تاثرات جمیلہ

ماہر علم وفن حضرت علامہ ومولانا **عبدالقدیر خان** قادری صاحب قبلہ
استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، گورے گاؤں

لك الحمدیاالله والصلوۃ والسلام علیك یارسول الله ﷺ

یہ کہتے ہوئے بڑی خوشی ہورہی ہے کہ رفیق ہمدم مولانا کریم اللہ رضوی نے نہایت جاں فشانی اور لگن کے ساتھ ایک ایسی کتاب ترتیب دی ہے جس میں ''ائمہ اربعہ'' (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) کی حیات وخدمات اور کارناموں کے ذکر کے ساتھ تقلید شخصی کی ضرورت واہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

بلاشبہ یہ دور ایمان وعقیدہ کی سلامتی اور حفاظت کے تعلق سے بہت ہی پریشان کن ہے۔ کیوں کہ جتنے باطل مذاہب وادیان اور فرق وملل پائے جاتے ہیں، سب کا پہلا حملہ ایمان وعقیدہ پر ہی ہوتا ہے۔ فی زمانا خود کو اہل حدیث کہلانے والے غیر مقلدین اپنا سارا سرمایہ اور پوری کوشش اسی پر صرف کررہے ہیں کہ کسی طرح مسلمانان عالم کو اپنے اسلاف کی روش سے ہٹا کر شیطان لعین کا بندۂ بے دام بنادیں۔ لیکن بھلا ہو علمائے ربانین اور نائبین مصطفیٰ ﷺ کا جو کہ وقتاً فوقتاً قرطاس وقلم تقریر وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ان کے مکائد وخرافات کا ابطال اور اپنے عقائد واحوال کا اثبات کرکے نیابت رسول ﷺ کا حق ادا کرتے ہیں۔

انھیں اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' منصۂ شہود پر آئی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے فوائد عام وتام فرمائے اور مؤلف کو ترقی کی راہ پر گامزن فرمائے اور زیادہ سے زیادہ خدمت لوح وقلم کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

عبدالقدیر خان
۸/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
۲۹/جون ۲۰۱۲ء

تاثرات جلیلہ

ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا **محمد کلیم اللہ** صاحب قبلہ قادری
شیخ الادب دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ گلشن نگر، جوگیشوری

قابل قدر حضرت علامہ ومولانا کریم اللہ صاحب قبلہ زید اقبالہ، درسگاہ اہل سنت دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، ممبئی کے بڑے ہی خلیق، منکسر المزاج اور باصلاحیت مدرس ہیں۔ جنھوں نے مصروفیات کو ترک فرماکر رب کی عطا کردہ علمی وجاہت وقابلیت کو بروئے کار لاکر اسلاف کی اقتدا میں زبان وقلم سے نکلے ہوئے پرتاثیر کلمات کے انمول موتی کو صفحۂ قرطاس پر تحریر فرمادیا تاکہ ''حیات ائمہ اربعہ'' کے سیاہ حروف کے ذریعے تاریک زندگیوں کو تابناک بنادیں۔ حالانکہ مصروفیات انسانی کے اس دور میں انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی سے بالکل فرصت نہیں مل رہی ہے۔ پھر بھی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھیں دنیا اچھے انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ اچھے لوگ اپنی خداداد صلاحیتوں اور خوبیوں سے چمکتے دمکتے اور عروج وارتقاء کی منزلیں طے کرتے رہے۔ اور برے انسان خباثت نفس کی غلامی میں اتنے بدنام ہوئے کہ اسفل السافلین ان کا مسکن بن گیا۔

مگر اس دار فانی میں کچھ نامور ہستیاں ایسی ہوئیں جن میں سے کوئی علم حدیث کا امام، تفسیر میں پیشوا اور فقہ میں مقتدیٰ ہوا۔ زیر نظر کتاب مولانا موصوف کی فکر وفراست اور مخلصانہ کاوشوں کا عطر مجموعہ ہے جو اکناف عالم کو انشاء اللہ تعالیٰ معطر کرتی رہے گی۔

رب کائنات بطفیل سرور کائنات دینی خدمات کو قبول فرماتے ہوئے انھیں دارین کی بیش بہا نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمائے اور بڑے پیمانے پر تصنیف وتالیف اور اشاعت دین کا جذبۂ فراواں بخشے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ

محمد کلیم اللہ قادری
مدرسہ عربیہ محمدیہ قدم نگر بہرام باغ جوگیشوری (ویسٹ) ممبئی۔۱۰۲
مدرس دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ گلشن نگر جوگیشوری
۲۸/جون ۲۰۱۲ء

پیش لفظ

پروردگار عالم نے اپنے دین کی حفاظت وصیانت کے لئے بے شمار علما ومشائخ اور مجتہدین کو پیدا کیا جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور ہمت مردانہ کے بل بوتے مسلک حق اور دین حنیف کی خدمت انجام دی اور نیک نامی کے ساتھ دنیاے فانی کو الوداع کہا۔ انھیں عظیم شخصیتوں میں ''ائمہ اربعہ'' یعنی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، سیدنا امام لک بن انس، سیدنا امام شافعی بن ادریس الخولانی اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہیں۔ جنھوں نے ''ادلۂ اربعہ'' یعنی قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس کے عمیق سمندر میں غوطہ زن ہوکر مسائل کے قواعد وضوابط اور اصول وضع کئے تا کہ ان کی روشنی میں قیامت تک امت مرحومہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کا حل تلاش کرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو دینی معاملہ میں وہ فقہی بصیرت اور قوت عطا فرمائی تھی جو پوری دنیاے سنیت پر عیاں ہے کہ وہ بصیرت وقوت نہ ان کے ہم عصر علما میں تھی نہ اور اب تک کسی میں پیدا ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی تقلید وپیروی علماے اہل سنت کا اتفاق ہے۔

اگر آج پوری دنیاے سنیت کا جائزہ لیا جائے تو اس کا ہر فرد انھی چار ہستیوں میں سے کسی ایک کی تقلید ضرور کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اور اگر کوئی فرد ان ائمہ حقہ میں سے کسی کا مقلد نہیں تو وہ ضرور گمراہی کے دہانے پر نظر آئے گا۔ کیوں کہ ان نفوس قدسیہ نے نبی کریم ﷺ سے جو اقوال اور مسائل نقل کیے ہیں صحیح اسناد سے مروی ہیں اور اسی پر اعتماد کرنا بھی درست ہے۔

انھیں ائمہ کرام کی حیات وخدمات پر اپنی ایک ادنیٰ قلمی کاوش بنام ''حیات ائمہ اربعہ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ ابتداے کتاب میں تقلید کی اہمیت پر ایک مشتمل مضمون بھی ہے۔ جسے پڑھ کر آپ خود ہی جان لیں گے کہ تقلید کی اہمیت کیا ہے اور تقلید کس قدر ضروری ہے۔ مضمون میں ان اعتراضات کے جوابات بھی ہیں جو غیر مقلد حضرات عام طور پر تقلید کے متعلق کیا کرتے ہیں۔

ہم رب قدیر کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقہ میں اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور برادران اسلام کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کریم اللہ رضوی ۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳؍جون ۲۰۱۲ء
استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر گورے گاؤں (ویسٹ) ممبئی۔۱۰۴
مقام علاء الدین پور گلرہوا، پوسٹ دولت پور، ضلع گونڈہ، یوپی

تقلید کی اہمیت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّابَعْدُ!

آج امت مسلمہ کے سامنے باطل طاقتوں کی جانب سے بے شمار چیلنج اور ان گنت فتنے کھڑے ہیں، ان فتنوں کا دفاع اور چیلنجوں کے جوابات کے لیے علماے اسلام اور ائمہ دین متین اپنی اپنی فکری علمی اور عملی صلاحیتوں کے مطابق میدان عمل میں سرگرداں ہیں اور قوم کی صحیح رہنمائی فرما کر نیابت نبوی کا حتی الامکان حق ادا فرمارہے ہیں۔

آج کل جن طاغوتی فتنوں نے زیادہ ہی ہنگامہ برپا کررکھا ہے ان میں وہابیت وغیر مقلدیت سر فہرست ہے۔ اس جماعت کا ہر فرد اپنے کو منصب اجتہاد پر فائز سمجھتا ہے اور اکابرین ملت یعنی ائمہ اربعہ بالخصوص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر افشانی اور الزام تراشی کو اپنا واجبی حق تصور کرتا ہے بلکہ اسلام ومسلمین پر طعن وتشنیع ہی اس جماعت کا محبوب مشغلہ ہے اور نئے نئے فتنے کھڑا کرنا ان کے نزدیک خدمت قرآن وحدیث ہے اس لیے ضرورت ہے کہ تقلید کی اہمیت وضرورت کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ تقلید کیا ہے اور تقلید کیوں ضروری ہے اور اس کے کیا فوائد ہیں اس لیے چند اقتباسات قارئین کے نذر ہیں۔

تقلید کا لغوی معنی: اس کا مادہ ''ق ل د'' اور اس کے معنی پٹے کے ہیں۔ باب تفعیل میں جاکر اس کے معنی گلے میں پٹہ ڈالنے کے ہوگیے (مقالات شارح بخاری، ج ا ص: ۲۸)

شرعی اصطلاح: اصطلاح شرع میں تقلید کا مطلب یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کے قول وفعل کو یہ جان کر کہ ان کا کلام اور کام ہمارے لیے حجت ہے شرعاً اپنے اوپر لازم کرلینا جیسے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ شرعی مسائل میں امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول وفعل کو قابل حجت مانتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔

تقلید کی تعریف: امام غزالی علیہ الرحمہ تقلید کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اَلتَّقْلِیْدُ ھُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّۃٍ'' یعنی کسی بات کو حجت کے بغیر مان لینا یہ تقلید کہلاتا ہے۔

صاحب قمرالاقمار بحث تقلید میں یوں تعریف بیان فرماتے ہیں ''اَلتَّـقْـلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَـمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْ فِیْ فِعْلِہٖ زَعْمَ فَاِنَّہٗ مُحَقَّقٌ بِلَا نَظَرٍ فِی الدَّلِیْلِ فَکَاَنَّ الْمُقَلِّدَ جَعَلَ قَوْلَ الْغَیْرِ وَ فَعَلَہٗ قَلَادۃ فی عنقہ'' (حاشیہ حسامی:ص ۸۶،قمر الاقمار حشیہ نور الانوار:ص:۲۲۰)

تقلید یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے قول یا فعل کی اتباع اس ظن کی بنا پر کرے کہ وہ محقق ہے اور اس کی دلیل پر اس کی نظر نہ ہو، گویا مقلد نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ بنالیا۔ علامہ سمہودی عقد الفرید میں تقلید کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں '' التقلید قبول القول بأن یعتقد من غیر معرفۃ دلیل'' جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتماد جم جائے۔ (مقالات شارح بخاری، ج۱ص:۲۸)

تقلید کی قسمیں: تقلید کی دو قسمیں ہیں (۱) تقلید شرعی (۲) تقلید غیر شرعی۔

تقلید شرعی: شریعت کے احکام و مسائل میں کسی مسلک اور امام کے قول و فعل کے مطابق عمل کرنے کو تقلید شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔

تقلید غیر شرعی: دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنے کو تقلید غیر شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی، شاعر لوگ داغ، میر یا مرزا غالب کی اور نحوی اور صرفی سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی تقلید غیر شرعی ہے۔

تقلید شرعی کی تین قسمیں ہیں (۱) عقائد (۲) احکام صریحہ (۳) احکام مستنبطہ۔

عقائد: عقائد میں کسی کی تقلید جائز و درست نہیں ہے کیوں کہ یہ اصول دین اور اعتقادات سے متعلق ہیں۔ اور تقلید صرف فروعات ہی درست ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں ''ذم التقلید وھوقبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیا ت ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لا بد من النظر والاستدلال ''ترجمہ: ایسی تقلید قابل مذمت ہے کہ دوسرے کے قول کو بغیر دلیل کے مان لیا جائے اور پس ایسی دلیل فروعات و عملیات میں جائز ہے مگر ایسی تقلید اصول دین اور اعتقادیات میں بالکل درست نہیں ہے بلکہ غور و فکر اور دلیل کی طلبی نہایت ہی ضروری ہے۔

احکام صریحہ: ایسے شرعی احکام و مسائل جن کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہووہ

احکام صریحہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً پنج وقتہ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، ایام حج میں حج کی ادائیگی اور مالداروں پر زکوٰۃ کا ادا کرنا وغیرہ اور ایسے احکام صریحہ میں کسی بھی امام ومجتہد کی تقلید و پیروی درست نہیں ہے۔

احکام مستنبطہ: ایسے شرعی احکام جو قرآن وحدیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور نہ ہوں لیکن اخبار احاد اور کلام الٰہی کی روشنی میں قیاس کے ذریعہ استنباط واجتہاد کے ذریعہ نکالے گیے ہوں جیسے عورتوں کے ساتھ اغلام بازی کی حرمت اور بھینس کے گوشت کی حلت وغیرہ۔ (ماہنامہ جام نور؛ جنوری ۲۰۰۷ء ص:۱۸)

چنانچہ ایسے مسائل کی وضاحت نہ تو کلام الٰہی میں ہے اور نہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے مگر مجتہدین نے قرآن وحدیث میں مذکورہ احکام صریحہ پر قیاس کرتے ہوئے اغلام بازی کو حرام اور بھینس کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے لہذا ایسے ہی شرعی احکام میں تقلید ضروری ہے۔

وجوب تقلید قرآن وتفسیر کی روشنی میں

اولاً وجوب تقلید آیات قرآنیہ اور تفاسیر کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

''یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوااللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم'' (۵۹.النساء:۵)

ائے ایمان والوں! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے اولوالامر کا۔ اس آیت کریمہ میں ''اولو الامر'' سے مراد فقہا ومجتہدین ہیں۔ جیسا کہ سید المفسرین حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ ''قال علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس'' و اولی الامر منکم'' یعنی اھل الفقہ والدین و کذا قال مجاھد و عطا والحسن البصری وابو العالیۃ ''او لی الامر'' یعنی العلماء و الظاھر واللہ اعلم. أنھا عامۃ فی کل الامر من الامراء والعلماء کما تقدم'' (تفسیر ابن کثیر ج:۲،ص:۳۰۴)

علی بن ابی طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد فقہا و ائمہ دین ہیں، یونہی مجاہد، عطا، حسن بصری اور ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ اولوالامر سے مراد علماء ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمہ تمام اصحاب امراء کو عام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

دارمی باب الاقتدا بالعلما میں بھی اولوالامر سے مراد اہل فقہا کو بتایا گیا ہے۔امراء کی اطاعت امور شرعیہ میں ماتحتوں پر واجب ہے اور خود امراء پر فقہا کی اطاعت واجب ہے تو فقہا ان کے لیے بھی اولوالامر ہوئے۔حدیث میں ہے کہ حضور سید دو عالم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لئے یہ دعاء فرمائی" اللھم فقھه فی الدین و علمه التاویل" اے اللہ انھیں دین کا فقیہ بنا اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں پر اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور رسول اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور فقہا کی اطاعت بھی واجب ہے۔ جو احکام کتاب اور سنت رسول اللہ سے صراحتً ثابت نہ ہو بلکہ انہیں فقہاے دین نے کتاب وسنت کے نصوص سے اجتہاد کر کے نکالا ہو،انہیں میں ان کی تقلید واجب ہے۔مگر یہ تقلید محض عرفاً ہے کیوں کہ اللہ عزوجل کے حکم سے ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔اللہ عزوجل دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے" و لو ردوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم" (۸۳النساء:۵) اور اگر اس میں رسول اور اپنے اولوالامر کی طرف رجوع کرتے تو ضرور وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں۔
اس آیت سے کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم دو طرح کا ہے ایک وہ جو بہ نص قرآن حاصل ہو اور دوسرا وہ جو قرآن وحدیث سے استنباط کے ذریعہ حاصل ہو۔ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ دینی امور میں ہر شخص کو دخل دینا جائز نہیں ۔ بلکہ جو اہل ہو اسی کو استنباط کرنا چاہئے اور جو اس کا اہل نہ ہو تو اسے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے قرآن حکیم اسی کا حکم دیتا ہے۔یہ اور اسی نوع کی دوسری آیات کریمہ سے ثابت ہے کہ ہر شخص نصوص قرآن وسنت سے احکام اخذ کرنے کا اہل نہیں ہے۔اس لئے اس پر فقیہ ومجتہد کی اطاعت اور اس کی طرف رجوع لازم ہے۔یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر ائمہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اور یہ فی الواقع ان آیات قرآنیہ پر عمل اور اللہ عزوجل کی اطاعت ہے (ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر،۲۰۰۷،ص:۱۱)

اللہ عزوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔"فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" (۴۳؛النحل،۱۴،۷:الانبیاء:۷ ۱) ترجمہ:اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔اس آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ اہل علم سے دریافت کرے۔اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو مجتہدین سے دریافت کریں اور اس پر عمل کریں اور یہی چیز تقلید کہلاتی

ہے۔چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔"واستدل بھا ایضاً علی وجوب المراجعة للعلماء فیما لا یعلم و فی الاکلیل للجلال.... السیوطی أنه استدل علی جوز التقلیدالعامی فی الفروع" ترجمہ:اور اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز کا علم خود نہ ہو اس میں علما سے رجوع کرنا لازم ہے،اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اکلیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ عام آدمیوں کے لئے فروعی مسائل میں تقلید جائز ہے۔اور خطیب بغدادی یوں تحریر فرماتے ہیں"أما من یسوغ له التقلیدفھو العامی الذی لا یعرف طرق الاحکام الشریعه،فیجوزله ان یقلد عالماً و یعمل بقوله الله تعالیٰ"فاسئلوأاھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" ترجمہ۔رہا یہ مسئلہ تقلید کس کے لیے جائز ہے سو یہ وہ عامی شخص ہے جو احکام شریعہ کے طریقے نہیں جانتا پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"فاسئلوأاھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"اس کے بعد خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے،کہ آیت بالا میں"أھل الذکر" سے مراد اہل علم ہیں (مطالعہ سلفیت واہل حدیث:ص:۳۱)

وجوب تقلید احادیث کی روشنی میں

ثانیاً وجوب تقلید پر احادیث مع تشریحات ملاحظہ فرمائیں۔" عن معاذ ابن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ والقاصیة والنا حیة ایاکم والشعاب وعلیکم با لجماعت والعامة"رواہ احمد. (مشکوٰۃ باب الاعتصام،ص: ۳۱) ترجمہ:حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ حضور صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے بکری کے بھڑیا کی طرح،اور وہ اس بکری کا شکار کرتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ یا کنارے چرتی ہے،۔ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والوں کا شکار کرتا ہے۔تو تم گھاٹیوں (تنہائیوں) سے بچو جماعت عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت عامۃ المسلمین کی اقتدا ضروری ہے جو ہمیں شیطانی شکنجہ سے بچائے۔پس اگر ہم نے ترک تقلید کی تو عامۃ المسلمین کی اقتدا چھوٹ جائیگی۔لہذا اس وجہ سے بھی تقلید ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ قال النبی ﷺ ''اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار رواہ ابن ماجہ''(مشکوٰۃ: باب الاعتصام، ص: ۳۰)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گروہ کی اتباع کرو کیوں کہ جو مسلمان کی جماعت سے علیحدہ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جائیگا۔ اس حدیث پاک میں سواد اعظم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سواد اعظم مقلدین کا گروہ ہے۔ لہٰذا جو شخص تقلید کا انکار کر کے گروہ مقلدین سے نکلے اس کا ٹھکانا بمقتضائے حدیث جہنم ہے۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے اگر چاہے تو تقلید اختیار کر کے سواد اعظم کے ساتھ جنت میں چلا جائے ورنہ غیر مقلد بن کر جہنم کا ایندھن بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔ ''عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا تجمع امتی علی ضلالۃو ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ فی النار رواہ الترمذی''(مشکوٰۃ: باب الاعتصام ص: ۳۰) ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر کبھی متفق نہیں فرمائے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ دوزخ میں بھی علیحدہ ہی جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں فرمائیگا۔ اور منجانب اللہ مجتہد کو اجتہاد پر ثواب ملتا ہے خواہ اس کا اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو، تو معلوم ہوا کہ جماعت مجتہدین پر اللہ کی رحمت ہے لہٰذا جو اس سے الگ ہوگا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے پس نتیجہ برآمد ہوا کہ تقلید ضروری ہے۔

وجوب تقلید اور اکابر اسلام کا عمل

ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد رہے خواہ محدثین ہوں یا مفسرین، فقہا ہوں یا اولیاء اللہ ان میں سے کوئی غیر مقلد نہیں۔ جیسا کہ شیخ تاج الدین سبکی نے اپنی طبقات میں صراحۃً فرمایا'' کان البخاری امام المسلمین و قدوۃ المومنین و شیخ الموحدین و المعول علیہ فی احادیث سید المرسلین قال و قد ذکر ابوعا صم فی طبقات اصحابنا الشافعیہ'' (الحطہ مصنفہ نواب صدیق حسن خان، فصل ۲، ص: ۱۲۱، بحوالہ فقہ الفقیہ ص: ۶۷)

ترجمہ: امام بخاری علیہ الرحمہ امام المسلمین، قدوۃ المومنین، شیخ الموحدین اور حدیث سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں معول علیہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ ابو عاصم نے امام بخاری کو شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان والئی بھوپال، غیر مقلدین کے اکابر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی یہ عبارت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے مقلد تھے۔ موجودہ دور کے غیر مقلدین نواب صاحب کی اس عبارت میں غور و فکر کریں کہ جب امام بخاری جیسے محدث تقلید کر رہے ہیں تو انھیں بھی ضروری ہے کہ ترک تقلید سے کنارہ کشی کر کے کسی مجتہد کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔

جناب صدیق حسن خان کی دوسری عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد مقلد تھے ملاحظہ ہو۔'' الامام ابو دائود سلیمان بن الا شعث اعدہ الشیخ ابو اسحٰق شیرازی فی طبقات الفقہاء من جملۃ اصحاب الامام احمد و اختلف فی مذھبہ فقیل حنبلی و قیل شافعی''(الحطہ، مصنفہ نواب حسن خان، ص: ۱۲۰، بحوالہ فقہ الفقیہ، ص: ۶۸) امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، جن کو شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے ان کے مذہب اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حنبلی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شافعی تھے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابوداؤد حنبلی تھے۔ اگر حنبلی نہ تھے تو شافعی یقیناً تھے۔ ابن تیمیہ وہابیوں کے امام ہیں مگر وہ بھی مقلد تھے۔ اس کا اعلان بھی نواب صدیق حسن کر رہے ہیں۔''احمد بن حلیم بن مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ الحرانی ثم الدمشقی الحنبلی صاحب منھاج السنۃ'' (منقول من الفوائد البیھہ، مصنفہ نواب صدیق حسن خان، ص: ۸، بحوالہ فقہ الفقیہ، ص: ۶۹) ترجمہ: احمد بن حلیم مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ حرانی دمشقی، صاحب منہاج السنۃ حنبلی تھے۔

مذکورہ بالا عبارت میں غور و فکر فرما لیجئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ جب امام بخاری جیسے تاج المحدثین اور دیگر اکابر محدثین مقلد گزرے۔ مشکوٰۃ شریف اور بلوغ المرام کا اردو ترجمہ پڑھ کر نام نہاد مولوی کس شمار میں ہیں۔ کیا موجودہ دور کے وہابی، غیر مقلد امام بخاری، امام ابوداؤد امام نسائی وغیرہ سے زیادہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ کیا یہ لوگ ابن تیمیہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو ضروری

ہے کہ وہی راستہ اختیار کیا جائے جو محدثین کرام نے اختیار کیا۔اسی میں فلاح و کامیابی ہے۔کیوں کہ تمام کے تمام محدثین کرام مقلد تھے جیسا کہ مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا۔

وجوب تقلید عقلی دلائل کی روشنی میں

عقل کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ تقلید اشد ضروری ہے دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے جیسے کوئی کام بغیر کسی دوسرے کی پیروی کے نہیں کرسکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنی ہوتی ہے۔اور رہا دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ اہم اور مشکل ہے اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنی ہوگی۔علم حدیث میں تقلید ضروری ہے کہ فلاں حدیث اس لیے ضعیف ہے کہ امام بخاری نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ان کا قول ماننا یہی تقلید ہے قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ انھوں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے۔قرآن کے اعراب،آیات سب میں تقلید ہی تو ہے۔ایسے ہی نماز جب جماعت کے ساتھ ہو تو امام ہی کی سب مقتدی تقلید کرتے ہیں اگر امام کی تقلید نہ کرے تو نماز ہی نہ ہوگی اس سے سمجھ میں آیا کہ تقلید ضروری ہے اسی طرح حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں غرضیکہ انسان اپنے ہر فعل وعمل میں تقلید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور خیال رہے کہ ان تمام صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ مشکوٰۃ: کتاب الجهاد باب آداب السفر میں ہے کہ ”اذا کان ثلثة فی سفر فلیئومروا احد هم“ ترجمہ: جب کہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔ مذکورہ تحریر سے نتیجہ عقلی یہی نکلا کہ تقلید ضروری ہے (جاءالحق حصہ اول ص:۲۶)

تقلید شخصی واجب ہے

فقہ اسلامی کے چار اماموں میں امام اعظم ابوحنیفہ،امام شافعی،امام مالک،اور امام احمد بن حنبل میں سے کسی ایک معین امام کی تقلید واجب ہے،اور نجات والا گروہ اب انھیں چار مذاہب میں منحصر ہے۔جیسا کہ علامہ سید احمد طحطاوی مصری فرماتے ہیں۔” هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیون والمالکیون،والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله تعالیٰ ومن کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذه الزمان فهو من اهل

البدعة والنار“

ترجمہ:اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے،حنفی،مالکی،شافعی اور حنبلی اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی اور جہنمی ہے۔(حاشیہ الطحطاوی علی الدرر،ج۴،ص:۱۵۳،بحواله فتاویٰ رضویه، مترجم ج:۶،ص:۱۷۱)

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں یوں فرماتے ہیں۔ ”مخالفته للمقلد متفق علیٰ کونه منکراً بین المحصلین۔“ تمام منتہی فاضلوں کا اجماع ہے کہ مقلد کا اپنے امام مذہب کی مخالفت شنیع اور واجب الانکار ہے۔(فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۶،ص:۷۰۶)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔”بعد الماتین ظهر بینهم المذهب للمجتهدین باعیانهم و قل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینیه.“ (الانصاف،ص:۵۹،بحواله فتاویٰ رضویه مترجم ج:۶ ص؛۷۰۳،۷۰۴) ترجمہ: دوصدی کے بعد مسلمانوں میں تقلید شخصی نے ظہور کیا اور جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو یہ گروہ بہت تھوڑا رہا۔اس دور میں چار ہی اماموں میں کسی ایک کے مذہب کی تقلید واجب ہونے کی وجہ غیر مقلدین کے معتمد قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے۔”اہلسنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہوگیے۔اور فروعی مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا“(فتاویٰ رضویہ مترجم ج۶ ص:۷۰۵) یہی بات شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ بھی بیان فرماتے ہیں۔”تبع تابعین کے دور میں جو حوادث وواقعات اور مسائل بکثرت پیدا ہوئے،اجتہاد کی کثرت ہوئی،احادیث اور مسائل فقیہ میں اختلاف عام ہوا،اس وقت مشہور چار اماموں کے علاوہ بہت سے مجتہدین تھے،لیکن مشرق ومغرب میں چار اماموں کے پیروکار ہی باقی رہے۔مغرب کے تمام لوگ مالکی ہیں ان میں کوئی بھی غیر مالکی نہیں۔روم،ماوراءالنہر(وسط ایشیائی ممالک) اور ہندوستان کے تمام باشندے حنفی ہیں ان میں کوئی بھی غیر حنفی نہیں۔(الا ماشاء اللہ) دوسرے ممالک میں شافعیہ اور حنابلہ ملے جلے ہیں، البتہ شافعیہ کی اکثریت ہے“(تعارف فقہ وتصوف،تصنیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی،ترجمہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری ص:۲۰۲،۲۰۳،بحوالہ ازالہ فریب بجواب تقلید شخصی کے آسیب ص؛۵۲)

تقلید بہت ضروری ہے

تمام خواص اس بات کو جانتے ہیں کہ ہر چیز کا شرعی حکم قرآن وحدیث میں صراحۃً مذکور نہیں ہے بلکہ بعض احکام اجتہاد کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔اس لیے اجتہاد کی ضرورت مسلم ہے اور اس کی ترغیب قرآن مجید میں دی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں،"و انزلنا الیک الذکر لتبین للنا س ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون" (۴۳:النحل،۱۴) اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں سے وہ بات بیان کردیں جو ان کے پاس بھیجی گئی ہیں تاکہ وہ بھی غور وفکر کریں۔جن باتوں میں غور وفکر کی ترغیب دی گئی ہے وہ یہی اجتہادی مسائل ہیں جن میں مجتہد اجتہاد فرماتے ہیں۔ایک بات اور بھی ہے کہ ہر مسلمان عالم نہیں ہوتا۔یا عالم ہو تو اتنا بڑا عالم نہیں ہوتا اور نہ ہر ایک عالم کے پاس اتنی زیادہ ذہانت وفقاہت ہی ہوتی ہے کہ وہ خود سے اجتہاد کرکے شرعی احکام معلوم کر سکے، اس لئے دوسرے سے دریافت کرکے اس کی تقلید کرنی پڑے گی۔قرآن میں دریافت کرنے کا حکم بھی موجود ہے۔" فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون" (۷:الانبیاء:۱۴) اگر تم نہ جانتے ہو تو جانکاروں سے پوچھ لیا کرو۔"اھل الذکر" سے مراد وہ مومنین ہیں جو قرآن کا علم رکھتے ہیں تو ان سے پوچھ لو اگر خود نہیں جانتے ہو۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی علیہ الرحمہ درمنثور میں فرماتے ہیں:"اخرج ابن مردویۃ عن انس قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرجل یصلی و یصوم ویحج یغزو وانہ لمنافق قالوا یا رسول اللہ بماذا دخل علیہ النفاق قال لطعنہ علی امامہ و امامہ من قال اللہ فی کتابہ"فاسئلو ااھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" ابن مردوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہوگا، روزے رکھتا ہوگا، حج کرتا ہوگا اور جہاد کرتا ہوگا لیکن وہ منافق ہوگا۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ نے فرمایا اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے، امام کون ہے؟ فرمایا رب تعالیٰ کا ارشاد ہے "فاسئلوا اھل الذکر الخ" اور نیز حدیث پاک میں پوچھنے کی بات کہی گئی ہے"انما شفاء العی السوال"عاجز کی شفا پوچھنے میں ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان جو قرآن وحدیث سے براہ راست شرعی احکام کا استخراج

نہیں کر سکتے، انہیں کسی مجتہد سے وابستہ رہنا یعنی اسکی تقلید کرنا ضروری ہے (احکام نماز اور اتباع سنت ص؛۲۳،ازالہ فریب بجواب تقلید شخصی کے آسیب،ص:۶۱،۶۲)

اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ اگر تقلید ضروری ہے تو صحابہ کرام کیوں کسی کے مقلد نہ ہوئے۔؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ عالم ماکان ومایکون دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تابعین صحابہ کرام سے قریب تھے انہیں جو ضرورت درپیش آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا تابعین صحابہ کرام سے براہ راست دریافت کر لیتے تھے۔اس لئے ان کو تقلید کی ضرورت نہ ہوئی۔بلکہ صحابہ کرام اور تابعین تو سارے مسلمانوں کے پیشوا ہیں خود ائمہ کرام بھی انہیں کی تقلید کرتے ہیں مشکوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے"اصحابی کا لنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم" (مشکوۃ ص:۵۵۴) میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں تم ان میں سے جن کی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔مشکوۃ کے اسی باب میں ہے"علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" (مشکوۃ، ص:۵۵۴) تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔یہ سوال تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہم کسی کے امتی نہیں۔کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے امتی نہ تھے۔تو امتی نہ ہونا حضور کی سنت ہے۔تو اس سے یہ بھی کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کیسے امت ہوتے۔ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام مسلمانوں کیا امام وپیشوا ہیں ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

آپ نے عید وبقرعید کے موقع پر نماز پڑھنے والوں کی کثرت دیکھی ہوگی اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ پچھلی صف کے مقتدیوں کو مکبرین کی آواز کی ضرورت پڑتی ہے لیکن امام سے قریب اگلی صف کے مقتدیوں کو امام کی آواز کافی ہوتی ہے۔اب آپ خود اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ ہم چوں کہ پچھلی صف کے امتی ہیں ہمیں ائمہ کرام کی تقلید کی ضرورت اور صحابہ وتابعین اگلی صف کے، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ زیادہ قریب تھے جب انہیں کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اس لئے ان کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں پڑی۔(تقلید شخصی کیوں ضروری ہے،ص:۱۹،۲۰)

تقلید مذاہب اربعہ ہی کیوں ضروری ہے

صرف ان چاروں ائمہ کی ہی تقلید ہوسکتی ہے ان کے علاوہ اور کسی کی نہیں کیوں کہ ان حضرات نے ہی وہ قوانین وضوابط مرتب فرمائے ہیں جن کے ذریعہ مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے اور تمام لوگ ان کے ہی پیروکار ہیں۔ جس کی صراحت امام ابن حجر مکی نے فتح المبین شرح الاربعین للامام النوی میں بیان کی ہے۔ ''واما فی زماننا فقال بعض ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعی و مالکی و ابی حنیفة واحمد بن حنبل رضوان الله تعالی علیهم اجمعین لأن هؤلاء عرفت قواعد مذهبهم و استقرت أحكامهم وخدم تابعوهم وحرروها فرعاً فرعاً وحكماً حكماً فلا يوجد الا وهو منصوص لهم اجمالاًاو تفصيلاً بخلاف غيرهم فان مذاهبهم لم تحرر ولم تدونوا كذٰلك'' یعنی ہمارے زمانہ میں ائمہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔ کیوں کہ ان حضرات کے مذاہب کے قواعد معروف ہیں اور احکام مستقر اور ان کے متبعین نے ان قواعد واحکام کو تفصیل سے لکھا ہے اس کے نتیجہ میں صرف وہی قواعد پائے جاتے ہیں جو ان سے اجمالا یا تفصیلا منصوص ہیں اور دوسرے مذاہب میں اس طرح نہ لکھے گیے نہ ہی جمع کیے گیے ہیں۔ نیز قرآن کریم کی مشہور تفسیر صاوی شریف میں بالکل صراحت سے بیان ہوا ہے ''لا یجوز تقلید ماعدا المذاهب الاربعة'' یعنی ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں اور تفسیر صاوی ہی میں مذکورہ عبارت کے تھوڑا آگے یوں لکھا ہے ''والخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل'' جوان چار مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ (تقلید شخصی کیوں ضروری ہے ص:۲۲،۲۳)

مذاہب اربعہ کے بغیر تقلید منع ہے

مذاہب اربعہ کے علاوہ کی تقلید کرنا منع ہے جیسا کی صاحب تفسیر صاوی ''واذکر ربک اذا نسیت'' کے تحت یوں بیان فرماتے ہیں'' لا یجوز تقلید ما عدا المذاهب الاربعة و لو وافق قول الصحابة و الحديث الصحيح والاية فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذٰلك الى الكفر الان الاخذ بظواهر الكتاب والسنة من اصول الكفر۔'' ان چاروں مذاہب کے

علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید درست نہیں اگر چہ وہ بظاہر صحابہ کے قول اور حدیث اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، جو ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے اس لیے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور ان کی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ تک پہنچا دیتا ہے۔ (احکام نماز اور اتباع سنت، ص:۲۲)

مذاہب اربعہ حق ہیں

مذہب حنفی، مذہب شافعی، مذہب مالکی اور مذہب حنبلی چاروں حق ہیں ان چاروں مذاہب میں سے کسی کی تقلید کی جائے صحیح ہے۔ تقلید کرنے والا گنہگار نہ ہوگا کیوں کہ مجتہد سے اجتہاد میں خطاء بھی ہوجائے تو بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس کا عمل صحیح ہوگا اور اسکی تقلید بھی اس اجتہاد میں صحیح ہوگی۔ ''أن المجتهد يخطى و يصيب والحق في مواضع الخلاف واحد لكن لايعلم ذٰلك الواحد باليقين فهذا قلنابحقية المذاهب والاربعه اى الحنفي والشافعي والمالكي والحنبلي'' (نور الانوار، قمر الاقمار، ص:۲۵) بیشک مجتہد سے اجتہاد میں کبھی خطاء واقع ہوجاتی ہے۔ اور کبھی اس کا اجتہاد درست ہوتا ہے جب اس کے اجتہاد میں اختلاف ہو تو حق ایک ہی ہوگا کیوں کہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کس اجتہاد میں حقانیت ہے اس لئے چاروں مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی حق ہیں۔ ایک حق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی حق ہے۔ ''في كل مسئلة فيها المجتهدون حكماًمعيناً فمن اصابه اصاب ومن اخطأه اخطاء'' (قمر الاقمار حاشية نور الانوار، ص:۲۵) یعنی جس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہوگا ان مختلف اجتہادات میں سے اللہ تعالی کے نزدیک ایک ہی حکم معین ہوگا جس کو اللہ تعالی کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی تو اس نے راہ حق کو پالیا اور دوسرے سے خطا واقع ہوگئی۔ لیکن تقلید کرنے والے صرف دلائل کی برتری اور طرز استدلال کو دیکھ کر کسی ایک مذہب کو ترجیح دیں گے اس لیے جس کو غالب سمجھ کر کسی نے تقلید کر لی وہی اس کے نزدیک درست وحق ہوگا۔ مذکورہ سطروں سے معلوم ہوا کہ مذہب اربعہ حق ہیں اور ان میں سے جس کی تقلید کی جائے درست وحق ہے۔ (احکام نماز اور اتباع سنت، ص:۲۱،۲۲)

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلّف مسلمان دو طرح کے ہیں۔ایک مجتہد، دوسرے غیر مجتہد، مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت وقابلیت ہو کہ قرآنی ارشادات ورموز کو سمجھ سکے، اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے، اس سے مسائل نکال سکے، ناسخ ومنسوخ کا مکمل علم رکھتا ہو، علم نحو وصرف اور علم بلاغت وغیرہ میں اسکو مکمل طور سے مہارت حاصل ہو، احکام کی آیتوں اور احادیث پر اس کی پوری نظر ہو، اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو، اور جو ان خصوصیات کا حامل نہ ہو وہ غیر مجتہد ہے اس پر مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔

طبقات مجتہد: مجتہدین کے چھ طبقے ہیں جن کو ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مجتہد فی الشرع: یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنھیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں جیسے سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مجتہد فی المذہب: یہ ایسے فقہا ہیں جن میں مجتہد فی الشرع کی ساری صلاحیتیں موجود ہوں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہوں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع امت، اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہوں یعنی اصول میں مقلد ہوں اور فروع میں مجتہد ہوں، جیسے حضرت امام ابو یوسف، امام محمد اور امام عبد اللہ بن مبارک وغیرہ تلامذہ امام اعظم قدست اسرارہم۔

مجتہد فی المسائل: یہ ایسے فقہا ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد فی الشراع کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں، جنکے بارے میں ائمہ مذاہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔جیسے امام ابوبکر خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، شمش الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی ہیں۔

اصحاب تخریج: یہ ایسے فقہا کا طبقہ ہے جو اجتہاد واستنباط کی مستقل قدرت نہ رکھتے ہوں۔البتہ ائمہ مذاہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نظر ہو، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل کی

تعین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہوں، جیسے امام ابوبکر احمد علی رازی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اصحاب ترجیح: یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذاہب سے منقول روایات میں سے اصول فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ امام ابوالحسن بن علی فرغانی مرغینانی وغیرہ "ھذا اولیٰ، ھذا اصح اور ھذا اوفق للقیاس" جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

اصحاب تمیز: فقہا کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ صاحب مجمع وغیرہ (فتاویٰ ملک العلماء، ص: ۲۵، ۲۶، اجتہاد وتقلید نمبر، ص: ۴۰)

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ ان میں ایسے ایسے افراد شامل ہیں، جن کی جوتیوں کی خاک بھی آج کے غیر مقلدین کو نصیب نہیں لیکن ان سب فضائل وکمالات کے باوجود یہ حضرات، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہی رہے جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ یہ اصول وقواعد میں امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور مسائل چونکہ خود مجتہد ہیں اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

تقلید کی اہمیت

تمام مسلمانوں کو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم نے اپنی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔اور اتباع و اطاعت موقوف ہے۔قرآن واحادیث کے حصول اور اس کے جاننے پر کہ ان میں کون ناسخ ہے، کون منسوخ، کون مجمل ہے کون محکم، کون خاص ہے، کون عام، کون ظاہر ہے کون خفی، کون نص ہے کون مشکل، کون مفسر ہے، کون متشابہ وغیرہ وغیرہ سیکڑوں باتیں ایسی ہیں کہ جب تک انسان ان سب پر مکمل عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط واستخراج پر کامل دست گاہ نہ رکھے۔قرآن وحدیث پر عمل ناممکن ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً" (۲۳۴، البقر، ۲) ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ

جائیں تو یہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رہیں۔ اس کے بعد اسی سورت میں اللہ کا ارشاد ہے ''والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیة الازواجهم متاعاً الی الحول غیر اخراج'' ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کے لیے وصیت کر جائیں کہ ان کو سال بھر کا نان ونفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے۔

ایک ہی سورت ایک ہی پارہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام ایسے مذکور ہیں کہ ان دونوں کو پڑھ کر آدمی چکرا جائے کہ وہ عمل کس پر کرے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کی بیوی کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کی عدت ایک سال ہے، عربی زبان کا ماہر پروفیسر عربی زبان پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو۔ کس آیت پر عمل کرنا چاہئے بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور آگے بڑھئے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اس کی عدت چار مہینے دس دن، یا ایک سال ہے۔ مگر سورۃ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے فرمایا گیا: ''واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن'' (۴، الطلاق: ۲۸) ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔ اس ایک نقطہ پر آ کر سورہ بقرا اور سورہ طلاق کی آیتوں میں شدید تعارض ہے۔ ایک شخص مرا اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ چار مہینے دس دن یا ایک سال یا وضع حمل۔ اور سنئے چلئے اسی سورہ بقر میں ہے ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیة للوالدین والاقربین با لمعروف حقاً علی المتقین.'' ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ ماں، باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے، پرہیز گاروں پر واجب ہے۔

لفظ اقربین عام ہے، اولاد، بھائی دادا، دادی وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے کسی کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ یہ مورث کے ثواب دید پر ہے جس کے کئے جتنا چاہے وصیت کر جائے اس کی وصیت کے مطابق رشتہ داروں حتی کہ ماں، باپ کو بھی ملے گا، مگر سورہ نساء کا دوسرا رکوع تلاوت کریں۔ اس میں ماں، ۔باپ، میاں، بیوی، بیٹی، بیٹا، پوتا، پوتی وغیرہ کے شرعی سہام کی تعین تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ عربی زبان کا کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو محض زبان دانی سے وہ اس گتھی کو ہرگز ہرگز نہیں سلجھا سکتا۔ ایسی سورت میں امت عام افراد کو تقلید کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے

کہ اگر تقلید کو بدعت سئیہ وحرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن وحدیث پر عمل کرنا سوائے معدودے چند حضرات کے امت کے اکثر افراد کو محال ہو جائے پھر لازم یہ کہ پوری امت کو قرآن وحدیث پر عمل کرنا وسعت سے زیادہ تکلیف دینا ہوا جو نص قرآنی ''لا یکلف اللہ نفساً الا وسعاھا'' کے صریح منافی ہے۔ لاجرم امت کے دو گروہ ہوئے۔ ایک مجتہدین اور دوسرے غیر مجتہدین۔ غیر مجتہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ دینی معاملات میں مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کی اتباع کریں۔ (مقالات شارح بخاری، ص: ۲۸۳، ۲۸۴)

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ عامہ الناس پر تقلید کرنا واجب اور ضروری ہے اور اسی کے ساتھ وہ علماء کرام جو درجہ اجتہاد تک نہیں پہنچ سکے، ان کے لئے بھی تقلید ضروری ہے۔ البتہ جو صاحب اجتہاد ہیں ان کے لیے تقلید حرام ہے، انہیں لوگوں کو ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ نہ کہ عوام الناس کو تقلید سے روکا ہے، جیسا کہ ابن قیم اور شوکانی اور ان کے مقلدین کا گمان ہے۔ اور تقلید کے بطلان پر ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ علامہ زرکشی صاحب تحریر فرماتے ہیں ''ھذا الذی قاله ممنوع، وانما منعوا المجتهد خاصة عن تقلیدهم دون من لم یبلغ هذه الرتبة'' یعنی جو یہ کہا گیا ہے کہ ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے عوام الناس کو روکا ہے، یہ صحیح نہیں بلکہ انہوں نے خاص مجتہدین کو منع فرمایا ہے۔ نیز شروع سے لیکر اب تک دنیائے اسلام کے ہزاروں، لاکھوں اولیائے کرام، صوفیائے عظام وفقہائے اسلام اور علمائے دین کہ جنہوں نے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی معین امام کی تقلید کی اور اس کے اثبات ووجوب قرآن وحدی کی روشنی میں تحریر کئے۔ اور تادم حیات اپنے قول وفعل وعمل سے اس کا پرچار کرتے رہے اور انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عصر حاضر کے علماء اہل حق اس اشاعت میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ مصروف رہیں گے۔ لہذا غیر مقلدین کو چاہئے کہ تقلید کے سبب مذکورہ تمام اولیاء امت، فقہائے ملت اور علماء وقت کے بدعتی وگمراہ اور مشرک ہونے کا اعلان عام کریں ورنہ توبہ کر کے مقلد ہو جائیں اور کسی امام کا دامن تھام لیں تا کہ خود بچیں اور اپنی آنے والی نسلوں کو بھی بچائیں۔ جہنم کی بھڑکتی ہوئی اس آگ سے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

بچ کے دوزخ سے جو آنا چاہو جنت کی طرف　　　تو راہ باطل چھوڑ کر آ ؤ صداقت کی طرف

حالات

امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ

نعمان بن ثابت بن زوطی

رضی اللہ عنہ

نعمان یکن سیف سطا

۸۰ ھ ۱۵۰ ھ ۷۰ سال

ایسی تلوار جو غالب ہوگئی

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے امام الائمہ کاشف الغمۃ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ جیسا مجتہد اورفقیہ عطافرما کراس امت پر احسان عظیم فرمایا۔قرآن فہمی میں رسوخ،معانی حدیث کادرک،آثارصحابہ اورفتاوی تابعین پر گہری نظر،ملکۂ استخراج واستنباط،خداداقوت حفظ،کمال زہدوتقویٰ اوراس خیرامت کے صلحا،اولیاء، مفسرین،محدثین،فقہااورعلما کی اکثریت کااعتمادواعتبار جب یہ ساری خوبیاں کسی شخصیت میں یکجا ہوتی ہیں تو کہیں جاکرایک ابوحنیفہ بنتا ہے۔امام اعظم کے علمی اوردینی کارناموں اورخدمات پر تفصیلی گفتگوکرنا مجھ جیسے ناچیز کے بس کی بات نہیں۔لیکن پھر بھی امام کی بارگاہ میں اس امید کے ساتھ محبتوں کی سوغات لئے حاضر ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے اس نیک اورمقبول بندے کے فیوض وبرکات سے مجھ جیسے حقیر کوبھی بہرورفرمائے اورمیرے لئے دنیاوآخرت کی سعادتوں اورفیروزمندیوں کا سامان کرے۔

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

میں تو خود نیک نہیں (مگر) نیکوں سے اس امید پر محبت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی برکت سے) مجھے بھی نیک بنادے۔

نام ونسب:۔سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ''نعمان'' کنیت ''ابوحنیفہ'' اورلقب ''امام اعظم'' ہے۔آپ کاخاندان ابتداء کابل میں آباد تھا۔آپ کے والدگرامی حضرت ثابت بن زوطیٰ فارسی النسل تھے اس طرح آپ بھی فارسی النسل ہوئے۔آپ کے دادا کانام بعض تذکرہ نگاروں نے زُوطیٰ اوربعض نے زَوطیٰ لکھاہے۔جب عربوں نے یہ علاقہ فتح کیاتوزوطیٰ گرفتار ہوکرکوفہ آئے اوربنی تمیم بن ثعلبہ کے غلام بنے پھرآزادکردیئے گیے۔اوراس قبیلہ کے مولیٰ قرارپائے۔ولاء کی نسبت سے آپ تمیمی کہلاتے تھے۔ان کاپیشہ تجارت تھا۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سےان کی ملاقات ہوئی اوراس حدتک اورتعلقات تھے کہ وہ کبھی کبھاران کی خدمت میں ہدیئے وغیرہ بھیجتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ آپ کے داداحضرت زوطیٰ اپنے فرزندخاص حضرت ثابت کولے کرجوبچے تھے بارگاہ علی مرتضیٰ میں بغرض دعاحاضر ہوئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''ثابت'' کے لئے دعافرمائی اوربہت سی برکتوں کی بشارت دی جن کاعملی پیکربن کرامام اعظم رضی اللہ عنہ منصۂ شہود پرآئے۔یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

کاثمرہ تھا۔یہ روایت امام صاحب کے پوتے عمر بن حماد بن ابوحنیفہ کی ہے۔لیکن آپ کے دوسرے پوتے اسماعیل کابیان آپ کے نسب کے تعلق سے کچھ اس طرح ہے ''نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان'' (الخیرات الحسان اردوص۷۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کنیت

امام اعظم کی کنیت کے سلسلے میں تمام تذکرہ نگاروں کااس بات پراتفاق ہے کہ آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے اوراکثر تذکرہ نگارتحریرکرتے ہیں کہ امام اعظم کی کنیت جونام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔امام صاحب کی کسی اولاد کانام حنیفہ نہ تھا۔کیوں کہ آپ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے اوران کے علاوہ کوئی اولادنہ تھی۔وہ آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں۔

(۱) حنیفہ حنیف کی تانیث ہے جس کے معنیٰ عبادت کرنے والا اوردین کی طرف راغب ہونے والا۔چونکہ امام اعظم بہت عبادت گزارتھے۔اوررات رات بھرعبادت میں مشغول رہتے تھے۔اس وجہ سے آپ کوابوحنیفہ کہاجانے لگا۔

(۲) آپ کاحلقۂ درس وسیع تھااورآپ کے شاگرداپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے اورچوں کہ اہل عراق دوات کوحنیفہ کہتے تھے۔اس لیے آپ کوابوحنیفہ کہاجانے لگا۔یعنی دوات والے۔

(۳) آپ کی کنیت وصفی معنیٰ کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملۃ الحنیفۃ،قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے ''فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا'' (پارہ۴،سورۂ آل عمران،آیت ۹۵) امام اعظم نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیارکی۔اس کامفہوم ہے ''باطل ادیان کا چھوڑکردین حق اختیار کرنے والا'' (الخیرات الحسان،ص۷۱)

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا ذکرتوریت میں اسی کنیت کے ساتھ آیا ہے۔

(۵) بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کاذکرتوریت میں ہے۔حضرت کعب بن احبار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوتوریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پرنازل فرمائی اس میں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نورہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی'' امام اعظم کے لقب ''سراج الامۃ'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔(تعارف فقہ وتصوف،ص۲۲۵)

بشارت نبوی ﷺ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ

حضور سید عالم ﷺ نے امام المسلمین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی پیشین گوئی فرمائی اور فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "قَالَ تُرْفَعُ زِيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةً" آپ نے فرمایا ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی۔

اور ۱۵۰ھ میں ہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات شریف ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ دنیاے اسلام کی زینت، شریعت کی رونق اور علم وعمل کی زیبائش تھے۔ کیوں کہ بعد وفات وہ حسن وزیبائی جو آپ کے دور میں تھی دنیا سے رخصت ہوگئی۔

اس روایت کو حضرت علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان، ص ۵۳" میں نقل فرمایا ہے۔

اور دوسری روایت حضرت علامہ موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابو حنیفہ ہوگا، قیامت میں میری امت کا چراغ ہے" (مناقب للموفق، ص ۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمن حکمت سے ایک دانا بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں" یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایا ہوتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا۔ اور آپ کی امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابو حنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈال دینا۔ حضور ﷺ کی یہ امانت یعنی لعاب دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت

میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا"۔ (مرجع سابق، ص ۱۵) (مناقب للموفق، ص ۵۱)

اسی طرح کی اور بھی روایات موجود ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت وبشارت بیان کی ہے۔

ولادت باسعادت: ۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق مختلف اقوال ہیں: (۱) ۶۱ھ (۲) ۷۰ھ (۳) ۷۷ھ (۴) ۸۰ھ۔ مؤرخین حضرات زیادہ تر قول آخر کو ترجیح دیتے ہیں۔ ولادت کے متعلق خود امام اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس کوفہ آئے تو میں نے انھیں دیکھا اور ان سے حدیث سماعت کی اس وقت میں چودہ سال کا تھا۔ انھیں فرماتے ہوئے سنا:

"سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ حُبُّكَ الشَّىءَ يُعْمِىْ وَيُصِمُّ"

مناقب موفق اور مناقب کردری میں بھی مذکور ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور یہی صحیح ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تابعیت

تابعی وہ خوش بخت انسان ہے جس نے بحالت ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں وصال ہوا ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو تابعیت کے مقام پر فائز فرمایا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت سے ملاقات فرمائی جس خوش نصیب جماعت کے بارے میں آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰنِىْ وَاٰمَنَ بِىْ وَطُوْبٰى لِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ وَلِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ وَاٰمَنَ بِىْ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ" (الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/۳۲۷) بحوالہ: مرقاۃ شرح المشکوۃ، ۱۱/۱۵۹

اس کے لئے مژدہ ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس کے لئے بھی خوش خبری ہے جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

اور ارشاد فرماتے ہیں "لَاتَمَسُّ النَّارُ مُسْلِماً رَاٰنِىْ وَرَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ" (مشکوۃ، ص ۵۵۴)

”اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا“

نیز فرماتے ہیں ”خَیۡرُ الۡقُرُوۡنِ قَرۡنِیۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَهُمۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَهُمۡ“ میری امت میں سب بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔

یقیناً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان حدیثوں کے مکمل مصداق ہیں۔ کیوں کہ آپ ان جماعت صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کا مرتبہ حضرات انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ اور اشرف ہے۔ ان کے بعد تاج کرامت تابعین عظام کے سروں پر رکھا گیا اور تابعین کے بعد شرف و بزرگی کے قابل تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: اس حدیث (لاتمس النار.....) نے اس بشارت کو بالاتفاق صحابہ اور تابعین کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ۳۸۸/۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ ظاہر کے بعد اور زمانوں میں سب سے بہتر و افضل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، ان کے بعد تابعین کا پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ یعنی خیر القرون انھیں تینوں زمانوں میں منحصر ہے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس خیر القرون میں پیدا ہوئے، خیر القرون میں زندہ رہے اور خیر القرون میں ہی وصال فرمایا۔ آپ کا تعلق اس مقدس جماعت سے ہے جسے جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی اس لیے کہ آپ تابعی ہیں کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا دیدار اور ان کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ آپ کے زمانے میں بیس سے تیس صحابہ کرام مختلف مقامات میں باحیات تھے۔ جن میں سے آپ نے کچھ صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ جیسے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی (۹۲ھ یا ۹۳ھ) جو بصرہ میں تھے، حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ (م: ۸۷ھ) جو کوفہ میں تھے۔ کوفہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں سب سے آخر ہیں۔ حضرت سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ (م: ۸۸ھ یا ۹۱ھ) جو مدینہ میں تھے۔ مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام آپ سب کے آخر ہیں۔ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (م: ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ) جو مکہ معظّمہ میں تھے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں مگر ان میں سب سے راجح قول یہی ہے۔ (جاء الحق، ص ۲۳۴) بہر حال جمہور محدثین و محققین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھنے والوں کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کی تھیں۔

تحصیل علم:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ابتداءً قراءت، حدیث، نحو، ادب، شعر، کلام وغیرہ ان تمام علوم و فنون کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانے میں رائج اور متداول تھے۔ بعدہ آپ نے علم کلام میں مہارت تامہ حاصل کی اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہ کر اتنا کمال پیدا کر لیا کہ اس فن میں ان کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں۔

پھر آپ نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا۔ مگر زہد و تقویٰ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ پھر آپ گوشہ نشینی کی راہ پر گامزن ہوئے تو خواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ نے تیری تخلیق میری سنت کے اظہار کے لیے فرمائی ہے۔ لہٰذا دنیا سے کنارہ کشی مت اختیار کرو“۔

حضرت فریدالدین بن عطار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ”کہ جب آپ دنیا سے کنارہ کش ہوکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے تو ایک دن خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کو کھود رہے ہیں، بیدار ہوئے تو پریشان تھے۔ تعبیر دانوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ خواب قابل مبارک ہے۔ تجھے احادیث صحیحہ کی معرفت حاصل ہوگی اور احادیث غیر صحیحہ کو الگ کرنے میں مہارت حاصل ہوگی“۔ ادھر امام شعبی نے آپ کو تحصیل علم کی ترغیب دی تو ہمہ تن اس میں مشغول ہوئے۔ چوں کہ فکر معاش سے بے نیاز تھے۔ اس لیے بڑی دلجمعی اور اطمینان قلبی سے علوم و فنون حاصل کرنے لگے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کی رسائی حضرت حماد بن سلیمان تک ہوئی۔ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان کی بارگاہ میں رہ کر علم فقہ حاصل کیا۔ امام صاحب ان کے انتقال تک ان کی معیت میں رہ کر تحصیل علم میں مصروف رہے جس کی مدت اٹھارہ سال ہے۔ استاذ کے بعد انتقال ان کی جگہ پر رونق افروز ہوئے اور فقہی درس و تدریس میں مشغول ہوگیے۔ (نہایت قابل تعریف اور لائق احترام شاگردوں کی جماعت تیار کی جنھوں نے مذہب حنفی کو فروغ دیا۔ جن میں امام ابویوسف، امام زفر بن ہذیل، امام محمد بن حسن اور حسن بن زیاد بہت مشہور و معروف ہیں۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے، جن میں بہت سے اسما کی ایک ہی فہرست منقول ہے۔ جن کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم آگے بیان کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل وذہانت

عقل ودانائی اورذہانت وتدبر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق ومخالف سبھی نے اقرار کیا ہے۔ مجدد دین وملت الشاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام حجر بن عسقلانی کے حوالہ سے فرماتے ہیں ''امام علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر پوری روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی عقل وذہانت کو تولا جائے توامام اعظم کی عقل وزنی ٹھہرے گی''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''کسی عورت نے امام ابوحنیفہ جیسا نہ جنا''

حضرت بکر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ اوران کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے توامام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا''۔ (فتاویٰ رضویہ: ج ا،ص ۱۲۳)

علامہ ذہبی شافعی امام اعظم ابوحنیفہ کی عقل وذہانت کے متعلق فرماتے ہیں ''کان من اذکیاء بنی آدم'' یعنی اولاد آدم میں جولوگ نہایت عقلمند گزرے ہیں، امام اعظم انہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے''

علامہ موفق مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''امام اعظم اگر چہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماء وقت کے سردار تھے مگر بعض نکات اوربعض مشکل سوالات کے فوری اورفی البدیہہ جواب دے کرانھوں نے عقل وذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

کسی حاسد کی سازش کواپنی عقل ودانش سے ناکام بنادینا فوری طور پرکسی معاملہ کی تہہ تک پہونچ جانا یااپنی حاضر جوابی سے کسی کو ہدایت کا راستہ دکھادینا یہ سب امام اعظم ہی کی عقل ودانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ذہانت وفطانت اورحاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب امام اعظم'' اورامام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے پیش خدمت ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے پانی مانگا وہ پانی کا پیالہ لارہی تھی کہ اس نے کسی بات پر رنجیدہ ہوکر کہا کہ میں یہ پانی نہیں پیوں گا اوراگر تو خود پیئے گی تو تجھے تین طلاق، اگراسے زمین پرگرایا تو تجھے تین طلاق اوراگر اسے کسی اورکو پینے کے لئے دیا تو بھی تجھے تین طلاق۔

جب شوہر کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو خوب پچھتایا اورعلمائے کرام کے پاس مسئلہ کی نوعیت بیان کی تو آپ نے فرمایا اس پیالہ میں کوئی کپڑا ڈال کر پانی کو جذب کرکے دھوپ میں سکھادو اس طرح تمہاری شرط بھی پوری ہوجائے گی اورعورت طلاق سے بچ بھی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم کو اپنے فضل وکرم سے ایک خاص عقل ودانائی عطا فرمائی تھی جس کی بدولت آپ ایسے ایسے مسائل حل فرمادیتے تھے جس کی تہہ تک کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی نہیں پہونچ سکتا۔ پھر بھی کوئی جاہل امام اعظم کے علم وفضل پر اعتراض کرے تو کس قدر مقام افسوس ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے درس میں تشریف لے گئے مگر امام مالک نے آپ کو پہچانا نہیں اوراپنے شاگردوں کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا جس کا امام اعظم نے بڑی متانت کے ساتھ جواب دے دیا۔ امام مالک نے آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا اورفرمایا یہ شخص کہاں سے آیا ہے؟ حضرت امام اعظم نے خود ہی فرمایا جناب میں عراق سے آیا ہوں۔ امام مالک نے فرمایا نفاق وشقاق کے شہر والوں میں سے ہے؟ امام اعظم نے فرمایا کیا مجھے اجازت ہے کہ قرآن مجید سے کچھ پڑھوں؟ فرمایا ہاں! ضرور پڑھو۔ حضرت امام اعظم نے یہ آیت پڑھی ''وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مَرَضُوْا عَلَى النِّفَاقِ'' حضرت امام نے ''اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ'' کی جگہ ''اَهْلِ الْعِرَاقِ'' دانستہ پڑھا اوراس سے آپ کی غرض امام مالک پر الزام قائم کرنا تھا امام مالک یہ سن کرفوراً بول اٹھے قرآن میں یوں نہیں آیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا پھر کس طرح آیا ہے؟ فرمایا اصل آیت یوں ہے'' وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَضُوْا عَلَى النِّفَاقِ''امام اعظم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ پرخود اس بات کا حکم دیا جس کی نسبت میری طرف کی گئی تھی۔ یہ کہہ کر آپ جھٹ پٹ اس مجلس سے نکل آئے۔ جب امام مالک کو معلوم ہوا کہ وہ ابوحنیفہ تھے تو آپ نے انہیں بلایا اوربڑی عزت وتکریم سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ نے حاضر جوابی کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جس کی بدولت بڑے سے بڑے محدثین کرام اورامام آپ کی عزت وتکریم کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ (نزہۃ المجالس: ج ۲، ص ۱۳۷)

حضرت امام رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرماتے۔ اچانک ایک عورت مسجد میں داخل ہوئی اوراس کے ہاتھ ایک پکا ہوا سیب تھا جس کا ایک حصہ سرخ اورایک حصہ زرد تھا اس نے

وہ سیب امام اعظم کے سامنے رکھ دیا اور زبان سے کچھ نہ بولی آپ نے اس سیب کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیا اور عورت کو دے دیا وہ لے کر چلی گئی۔ حاضرین اس معمہ کو نہ سمجھ سکے تو آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ یہ سیب کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس عورت نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ حاضرین اور بھی متعجب ہوئے اور وہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سیب میرے سامنے رکھ کر مجھ سے یہ پوچھا کہ اسے جو خون آتا ہے اس کا رنگ کبھی سیب کے ایک حصہ کی طرح سرخ اور کبھی دوسرے حصہ کی طرح زرد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ خون حیض ہی ہے؟ میں نے سیب کو چیر کر اسے جواب یہ دیا کہ جب تک سیب کے اندرونی حصہ کی طرح اس کا رنگ بالکل سفید نہ ہو وہ خون حیض ہی کا ہے۔ (روض الفائق: ص ۱۱۹)

یہ ہے امام اعظم کی ذہانت وفطانت اور عقل مندی کی دلیل کہ آپ کا ذہن وہاں پہنچتا تھا جہاں بڑے سے بڑے علما ومحدثین کا بھی ذہن نہیں پہونچتا تھا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت وفطانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتا دیا ہے جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لئے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ دعا مانگی "اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنا دے، یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہو جائے۔

آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں انڈا کبھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر ایک دن اس نے قسم کھالی کہ میرے دوست کی جیب میں جو چیز ہے اس ضرور کھاؤں گا۔ جب وہ چیز نکالی تو وہ انڈا ہی تھا۔ وہ بہت حیران و پریشان ہوا کہ اب اپنی قسم کیسے پوری کرے۔ اس پر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے چاہئے کہ وہ انڈا کسی مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوزہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

حضرت امام اعظم کی ہر بات سن کر علمی انبساط پیدا ہوتا ہے اور عقل سلیم کا مالک پکار اٹھتا ہے کہ امام اعظم واقعی امام اعظم ہیں۔ (الخیرات الحسان: ص ۱۰۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام نہایت بلند وبالا ہے۔ وہ علم وتفقہ کے وہ نیر تاباں ہیں جس کی درخشانی اور تابانی کے سامنے آسمان علم ومعرفت کے نجوم وکواکب کی درخشانی گم ہوتی نظر آتی ہے۔ امام نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں یہ حدیث روایت کی ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تو فارس کے کچھ افراد اسے حاصل کر لیتے۔

شیخ شیرازی نے "القاب" میں حضرت قیس بن سعد بن بادہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے "لَوْ کَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقاً بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ قَوْمٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ" اگر علم ثریا پر آویزاں ہوتا تب بھی کچھ ابنائے فارس اس حاصل کر لیتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب (تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ ص ۳-۴) پر اس طرح کی روایتیں جمع کی ہیں اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں امام اعظم کے تعلق سے فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی کے تلمیذ "سیرت شامی" کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی ہے علامہ محمد بن عابدین شامی "رد المحتار" میں لکھتے ہیں "فی حاشیۃ الشبراملسی علی المواھب عن العلامۃ الشامی تلمیذ السیوطی، قَالَ مَا جَزَمَ بِہٖ شَیْخُنَا مِنْ اَنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ ھُوَ الْمُرَادُ مِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ ظَاھِرٌ لَا شَکَّ فِیْہِ لِاَنَّہٗ لَمْ یَبْلُغْ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ فِی الْعِلْمِ مَبْلَغَہٗ اَحَدٌ" مواہب لدنیہ کے شبراملسی حاشی میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا کہ وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں، بالکل ظاہر وباہر ہے کہ اس میں شک وشبہ نہیں اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی ان کے درجہ تک نہیں پہونچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب "الخیرات الحسان، ص ۱۴" میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فِیْہِ مُعْجِزَۃٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ حَیْثُ اَخْبَرَ بِمَا سَیَقَعُ" یہ نبی کریم ﷺ کا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔ (تبییض الصحیفۃ ص ۷)

حدیث کی ان بشارتوں سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام ومرتبہ کی بلندی اور آفتاب نیم روز کی طرح نظر آتی ہے۔جس کا اعتراف نہ صرف ان کے مقلدین اور متبعین نے کیا ہے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔جس کی ایک جھلک آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے علمی بلندی مقام کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ایک مجتہد کے سارے اوصاف وکمال کامل طریقے موجود ہیں۔تمام اہل علم نے آپ کو ''مجتہد مطلق'' مانا ہے۔اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان اوصاف وشرائط کو بیان کر دیا جائے جو ایک مجتہد کے لئے ضروری ہیں تا کہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اس مجتہد مطلق، مجتہدوں کے سرخیل، فقہ واجتہاد کے امام اعظم کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

شرائط اجتہاد:۔ مجتہد کے لئے مخصوص صلاحیتوں کا ہونا لازمی وضروری ہے۔مثلاً وہ متقی و پرہیزگار، صائب الرائے، صاحب فراست، انصاف پسند، پاکیزہ اخلاق کا مالک، زبان عرب، لغت، صرف، نحو، معانی، قرآن وسنت، تفسیر، اسباب نزول، راویوں کے حالات جرح وتعدیل کے طریقوں سے، ناسخ ومنسوخ کی حقیقت سے مذاہب سلف سے واقفیت رکھتا ہو، دلائل شرعیہ سے مسائل کا استنباط کرنے پر قادر ہو اور قیاس کے اصول وقواعد کو جانتا ہو یا یوں کہئے کہ درجۂ اجتہاد صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو اور دلائل شرعیہ سے مسائل کے استخراج کی قدرت رکھتا ہو۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مجتہد کو بھی قیاس صرف ان مسائل میں جائز ہے جن کے متعلق قرآن وحدیث اور اجماع امت میں صریح حکم نہ ملے۔اگر کسی مسئلہ میں قرآن وسنت اور اجماع امت نے واضح احکام دیئے ہیں تو پھر قیاس ناجائز وممنوع ہے۔چنانچہ یہ شرط مجتہد مطلق کے لیے ہے جو تمام شرعی احکام میں اجتہاد کرتا ہے۔مجتہد کے لیے یہ شرطیں نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کو جواب دے سکے۔کیوں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ سے چالیس مسائل پوچھے گیے جن میں سے چھتیس کے بارے میں انہوں نے کہا ''میں نہیں جانتا'' امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا ہے۔بلکہ صحابہ میں بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا ہے۔تو جس کا

اسے علم ہو اس میں فتویٰ دے اور جس کا علم نہ ہو اس میں توقف کرے۔ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ مجتہد کے لیے قرآن وحدیث ان کے متعلقات کا زبردست علم ہونا ضروری ہے۔اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ شرائط اجتہاد کے جامع کامل تھے۔اس کا عملی ثبوت وہ ہزاروں شرعی اور قانونی مسائل ہیں جو ان کے اجتہاد کے نتیجے میں منقح ہو کر سامنے آئے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت

علمائے کرام کے وہ اوصاف جن کا تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکرے میں اور مصنفین نے اپنی کتابوں میں خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے وہ ذہن کی تیزی، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت اور زہد وتقویٰ، غرض اس قسم کے دیگر اوصاف بلاشبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تمام علما میں ممتاز تر ہیں کہ مذہبی امور کے ساتھ دنیاوی ضرورتوں تک بھی ان کے ذہن کی پہنچ رہی ہے۔

امام موفق بن احمد مکی کی کتاب ''مناقب امام اعظم'' اور امام ابن حجر مکی شافعی کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت کے متعلق چند واقعات پیش ہیں:

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے۔شائقین علم کو اس سے عمدہ اور کیا موقع مل سکتا تھا۔اسی درمیان ایک شخص نے آکر ایک مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع تھے اچانک ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے جسم پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینک دیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا، اس نے بھی حالت اضطراب میں ایسا ہی کیا۔یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے، یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹ لیا اور وہ انتقال کر گیا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیت کس پر لازم ہوگی۔سب حضرات غور وفکر کرنے لگے۔کسی نے کہا دیت سب کو دینی ہوگی۔کسی نے کہا صرف پہلے شخص کو دینی ہوگی۔سب کی رائے مختلف ہوگئی۔بحث کے سوا کچھ حل ظاہر نہ ہوا۔امام اعظم خاموش سب کی گفتگو سن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔آخر میں سب لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ کچھ آپ بھی اپنا خیال ظاہر کیجئے۔آپ نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا، تو پہلا بری الذمہ ہو چکا۔اسی طرح دوسرا تیسرا بھی۔بحث اگر ہے تو

صرف آخری شخص سے ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں: (ا) اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے اسے کاٹ لیا ہو تو ایسی صورت میں دیت صرف اسی پر لازم ہوگی۔ (۲) اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو وہ شخص بری الذمہ ہوگا۔ کیوں کہ اب سانپ نے اسے کاٹا تو اس کی غفلت کی وجہ سے، کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی۔ اسی رائے پر سب نے اتفاق کیا اور امام اعظم کی لوگوں نے ان کی فقہی بصیرت کی وجہ سے خوب تعریف کی۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی بیٹیوں کا دو سگے بھائیوں سے نکاح کیا۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے مشہور و معروف اکابرین کو مدعو کیا۔ مستمر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اچانک صاحب خانہ پریشانی کے عالم میں مکان سے باہر نکلا اور عرض کرنے لگا: ہم بڑی مصیبت میں پڑ گیے، رات غلطی سے دلہنیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے بھائی کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی دونوں نے شب باشی کی۔ جب صبح ہوئی تو اس غلطی کا علم ہوا۔ فرمایئے اب کیا ہو؟ حضرت سفیان ثوری نے کہا کوئی مضایقہ نہیں یہ وطی بالشبہ ہے۔ دونوں بھائیوں پر صحبت کی وجہ سے مہر واجب ہوگیا۔ اور آج دونوں اپنے اپنے شوہروں کے پاس چلی جائیں۔ امام صاحب خاموش تھے۔ امام مستر بن کدام نے امام اعظم کی طرف متوجہ ہو کر اس مسئلہ کا حل پوچھا۔ آپ نے دونو بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا، الگ الگ بلایا اور ان سے دریافت کیا، رات جو تمہارے ساتھ رہی اگر وہی عورت تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ دونوں نے کہا ہاں ہمیں پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی بیویوں کو جس سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دے دو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری نے بیان کیا تھا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی، دوم یہ بات غیرت وحمیت کے خلاف ہوتی اور اس طرح ازدواجی رشتہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ رہتا۔ امام اعظم نے مصلحت وحکمت پر مبنی حال بتایا جس سے لوگ عش عش کر اٹھے۔ امام مستر بن کدام نے امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان ثوری کو بھی مطمئن کر دیا۔ اللہ اسے خوش رکھے۔ آمین

ہمارے امام ہمام کی دانائی اور دور بینی قابل داد ہے۔ غور فرمایئے کہ اس مشکل صورت حال کو آپ نے کس خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ آپ کی یہی وہ فقہی دانائی ہے جس کی بدولت آپ نے اللہ ورسول کے ارشادات کے مطابق مسائل کا حل کتب فقہ میں پالیتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو بجائے ممنون ہونے کے حضرت پر زبان طعن دراز کرتا ہے۔ (جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان، ص ۲۶)

ایک عورت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی میرا بھائی انتقال کر گیا اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے ہیں۔ مجھے اس ترکے سے صرف ایک دینار ملا۔ آپ نے پوچھا ترکہ کی تقسیم کس نے کی تھی؟ اس نے بتایا داؤد طائی نے۔ آپ نے فرمایا یہی تمہارا حق ہوتا ہے۔ تمہیں اس پر اکتفا کرنا چاہیئے کیوں کہ تمہارے بھائی نے دو بیٹیاں، ایک بیوی، بارہ بھائی، والدہ اور ایک بہن چھوڑے ہیں۔ اس نے کہا ہاں وارث صرف یہی ہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹیوں کے حصے دو تہائی ہیں اور وہ چھ سو دینار میں سے چار سو دینار لے گئیں، ماں کو چھٹا حصہ ملا وہ ایک سو دینار لے گئی، بیوی کو آٹھواں حصہ ملا وہ پچھتر دینار لے گئی، باقی پچیس دینار رہ گئے، ان میں سے چوبیس دینار بھائیوں کو ملے اور ایک دینار تمہارے حصہ میں آئے گا۔

یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تفقہ ہے کہ سائل کیسا بھی مسئلہ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو اس کو چند منٹ میں مطمئن کر دیتے اور وہ آپ کی بارگاہ سے خوشی خوشی چلا جاتا۔

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انھوں نے ایک پاگل عورت کو ایک شخص سے جھگڑا کرتے دیکھا جس نے اپنے جھگڑا کے دوران اس شخص کو ''اے زانی اور زانیہ کے بیٹے'' کہہ دیا قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلس قضاء میں واپس آ کر یہ حکم نافذ فرمایا کہ اس عورت کو مسجد میں حالت قیام میں درے اور دو حدیں لگائی جائیں، جب یہ بات امام اعظم تک پہونچی، تو آپ نے ارشاد فرمایا ''ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں چھ غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلس قضاء سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت قائم کی یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ اس کے والدین کی گالیوں پر حدیں جاری کیں۔ حالانکہ مدعی وہ شخص نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہئے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں جاری کی گئیں۔ حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں جاری نہیں ہوسکتیں۔

عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ پاگل عورت پر بھی حد جاری نہیں کی جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ مرفوع العقل ہے مسجد میں حد جاری کی حالانکہ مسجد میں حد نافذ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے لوگ حیران رہ گئے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفوں میں سے ایک شخص نے آپ سے فتویٰ پوچھا ایسے شخص کے متعلق جو کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، نہ مجھے دوزخ کی پرواہ ہے، نہ ہی میں اللہ سے ڈرتا ہوں، مردار کھاتا ہوں اور بے رکوع وسجود کے نماز پڑھتا ہوں، بن دیکھے گواہی دے دیتا ہوں، حق بات سے نفرت کرتا ہوں، فتنے سے محبت کرتا ہوں، اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہوں، اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہوگا۔ بعض نے کہا ایسا شخص تو کافر ہو گیا۔ بعض خاموش رہے۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ کافر نہیں بلکہ ایسا شخص تو اللہ کا دوست اور مومن کامل ہے۔ پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا اگر اس کا جواب بتا دوں تو، تو میری بدگوئی سے باز رہے گا؟ اس نے وعدہ کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ رب جنت کی امید رکھتا ہے اور رب نار سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ وہ اس پر ظلم کرے گا۔ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کیے بغیر کھاتا ہے۔ بغیر رکوع وسجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔ وہ بلا دیکھے گواہی دیتا ہے یعنی اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے یا اس قیامت کی گواہی دیتا ہے جسے اس نے دیکھا نہیں ہے۔ وہ حق بات سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے، وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔ وہ فتنے سے محبت کرتا ہے یعنی وہ مال واولاد سے محبت کرتا ہے۔ جو ایک فتنہ ہے۔ اور وہ رحمت جس سے دور بھاگتا ہے، وہ بارش ہے۔ اور یہود کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے ”لیست الیهود علی شیء“ اور نصاریٰ کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے ”لیست النصاریٰ علی شیء) جب اس شخص نے امام اعظم کا یہ پرمغز اور مسکت جواب سنا تو کھڑے ہو کر آپ کے سر مبارک کو چوم لیا اور کہا کہ میں قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ علم کے سمندر ہیں اور ذہانت کے دریا ہیں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا ان سے توبہ کرتا ہوں۔

ہمارے امام اعظم کو خدا نے دین کی ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی کہ بڑے سے بڑے مشکل مسائل جن کو ان کے ہم عصر علما نہیں حل کر سکتے، آپ پل بھر میں حل کر دیتے تھے اور آپ کے اس تفقہ فی الدین کا لوہا اغیار بھی مانتے ہوئے نظر آتے تھے۔ (جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان: ص ۸۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ثقاہت

غیر مقلدین امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری اور دارقطنی نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔ اس کے جواب میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اول:۔ امام رضی اللہ عنہ کیوں کر ضعیف ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔ آپ یا تو صحابہ کرام سے روایت لیتے ہیں یا چند تابعین عظام سے۔ اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت لینا آپ کا وہ اعزاز ہے جو آپ کے ہم عصر محدثین کو حاصل نہ ہوا۔ بروایت مختلف علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ” آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔ ان کے علاوہ کثیر تابعین عظام ہیں جن سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔

دوم:۔ امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے ”نعمان بن ثابت مرجی تھے۔ اس بنا پر لوگوں نے ان کی روایت وحدیث لینے میں سکوت کیا ہے“۔ (معاذ اللہ) یہ سراسر بہتان ہے۔ خود امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں ارجا کی تردید فرمائی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ فرماتے ہیں ”امام ابو حنیفہ کی طرف ارجا کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ امام اعظم اور ان کے اصحاب خود مرجیہ کے رائے کے خلاف ہیں۔ یہاں تک کہ امام اعظم کے نزدیک مرجیہ کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اگر امام اعظم کے ارجا کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جا سکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری بھی بچ نہیں سکتے۔ کیوں کہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ راویوں سے روایت لی ہے جو مرجی ہونے میں مشہور ہیں۔ جن میں سے چند کے اسما پیش خدمت ہیں:

ابراہیم بن طہمان، ایوب بن عائذ الطائی، قیس بن مسلم الجدلی، شعیب بن اسحاق عبد الرحمٰن، خلاد بن یحییٰ بن صفوان، محمد بن خازم ابومعاویہ، سالم بن عجلان اور عثمان بن غیاث البصری، وعمیر بن ذر ہمدانی،

ورقاء بن عمر الیشکری، یونس بن بکیر وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب)

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری کے راویوں میں چار خارجی، چار جہمی، چار ناصبی، انیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مذکورہ راویوں میں تو کئی ایسے ہیں جن خود امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں جرح بھی کی ہے۔ علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایوب بن عائذ کے مرجی ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا تعجب ہے! اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ص ۱۴۶)

سوم:۔ حضرت علامہ عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں'' امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی۔ جیسے دار قطنی اور حافظ ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے۔ اور اس تعصب سے کوئی بشر محفوظ نہیں رہ سکتا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ جس مذکورہ بالا شخص کا حوالے میں ذکر کیا گیا بعد میں حقیقت حال معلوم ہونے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کر لیا اور بعد رجوع تلافی کے طور پر امام اعظم کی بعض روایات ایک سند میں جمع کر کے مرتب کیں''۔

شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' امام یحیٰ بن معین سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث روایت کریں اور شعبہ اور سعید بھی آپ کو روایت حدیث کے لیے فرماتے ہیں۔ یحیٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا'' امام ابوحنیفہ ثقہ اور صادق اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبد الرزاق، حماد بن زید اور وکیع بن جراح، جیسے ائمہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ کرام نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے''۔

اس گفتگو سے دار قطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہو گیا۔ پس وہ جو امام اعظم کو ضعیف کہتا ہے وہ خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے۔ کیوں کہ اس نے اپنی مسند میں سقیم و معلول و منکر و غریب اور موضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لئے وہ اس کا مصداق ہے کہ جب لوگ امام صاحب کی عظمت و شان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف و دشمن بن گئے۔

غور فرمایئے کہ امام یحیٰ بن معین کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امام اعظم کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین حاسدین ان کو پھر بھی ضعیف قرار دیں یہ تعصب و حسد نہیں تو پھر کیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا سن لیں۔ اس نے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کر کے انھیں بھی ''ائمة الحديث و الفقه'' یعنی حدیث و فقہ کا امام قرار دیا ہے۔ (منہاج السنۃ: ج ۱، ۲۳۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا'' امام ابوحنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں'' (الخیرات الحسان: ص ۱۳)

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا اخیر میں امام ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا سبحان اللہ وہ عجیب ہستی کے مالک تھے۔ میں نے ان کے مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ص ۳)

خلف بن ایوب نے کہا'' ابوحنیفہ نادر الوجود شخص ہیں۔ اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر صحابہ کرام میں تقسیم ہوا، پھر تابعین عظام میں پھر ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں'' (تبییض الصحيفة: ص ۲۳)

چہارم:۔ اب آخر میں ایک امام ابوداؤد حسن کی کتاب ''سنن ابی داؤد'' صحاح ستہ کا حصہ ہے۔ انھوں نے امام ابوحنیفہ کے فقہ و حدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی'' رحم الله مالكا كان اماماً، رحم الله الشافعي كان اماماً، رحم الله اباحنيفة كان اماماً'' اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیوں وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیوں کہ وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام ابوحنیفہ پر کیوں کہ وہ امام تھے۔ (جامع بيان العلم: ج ۲، ص ۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوداؤد کا یہ ارشاد نقل فرمایا'' ان اباحنيفة كان اماماً'' بے شک ابوحنیفہ امام تھے۔ (تذكرة الحفاظ: ج ۱، ص ۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں:

''وَيَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مِنْ كِبَارِ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْ عِلْمِ الْحَدِيْثِ اِعْتِمَادَمَذْهَبِهٖ بَيْنَهُمْ وَالتَّعْدِيْلُ عَلَيْهِ وَاِعْتِبَارُهٗ رَدًّاوَّقُبُوْلًا''

''علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا گیا ہے اور رد وقبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے''

اب ہم متاخرین محدثین کے امام ماہر طبقات رجال علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی کے مذہب کے پیروکار ہیں۔ انھوں نے حفاظ حدیث کے حالات میں ۴؍جلدوں پر مشتمل عظیم ترین کتاب لکھی ہے۔ آپ نے اس کتاب میں امام اعظم کو حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں ''ابو حنیفة الامام الاعظم فقیه العراق الخ) (تذکرۃ الحفاظ: ج۱،ص۱۵۸)

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ امام اعظم امام اعظم ہیں۔ کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث، ثقہ اور صادق ہیں۔ نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور علم حدیث

ایک مجتہد کے لیے دیگر علوم اسلامی کے ساتھ حدیث کا وافر حصہ ہونا ضروری ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر روایت حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی بلکہ ان سے مسائل کا استخراج فرما کر امت مسلمہ کے لیے آسانیاں فراہم کیں۔ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی مشکلات حل فرما دیں۔ آپ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جس میں حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور سے جاری تھا۔ اور آپ کا وطن کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ علم حدیث میں اس شہر کا امتیاز محمد بن اسماعیل بخاری کے دور تک باقی رہا۔ اسی لیے موصوف اتنی بار کوفہ گیے کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ کتنی بار گیا شمار نہیں کرسکتا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تحصیل حدیث کی شروعات اپنے وطن کوفہ سے کی۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہیں تھا جس سے آپ نے حدیث حاصل نہ کیا ہو۔ ابوالمحاسن شافعی ہیں، مگر انہوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ترانوے وہ مشائخ عظام ہیں جو کوفہ کے رہنے والے تھے یا کوفہ میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث حاصل کیا۔

امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ بن حجاج بھی ہیں جنہیں دو ہزار احادیث یاد تھیں۔ امام سفیان ثوری نے انھیں ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ''اگر شعبہ نہ ہوتے تو

عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی'' جب سفیان ثوری کو ان کے وصال کی خبر پہونچی تو فرمایا آج علم حدیث مرگیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت وفطانت اور نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ امام اعظم کا ذکر آیا تو امام شعبہ نے فرمایا ''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم حدیث اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں''۔

امام بخاری کے استاذ حضرت یحیٰ بن معین سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، تو فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔ شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ (عقود الجمان: باب دہم)

کوفہ کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرہ کے محدثین سے بھی حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم وفضل خصوصاً علم حدیث کا بہت اہم مرکز تھا۔ اس شہر کوفہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ شہر مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے علم حدیث کے ماہر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کا محدث کا خطاب دیا وہ بصرہ یا کوفہ کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد ورفت رکھنے والے تھے۔

امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں۔ اور حرمین شریفین کے محدثین سے بھی آپ نے حدیثیں لیں۔ آپ نے پہلا سفر ۹۶ھ میں کیا۔ پوری عمر میں ۵۵؍حج کیے۔ ۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔ اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۹۶ھ کے بعد ۵۵؍بار مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔ اسی عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظّمہ میں سرتاج محدثین تھے۔ یہ تابعی تھے۔ دوسو صحابہ کرام کی صحبت کا شرف انہیں حاصل تھا۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ، حضرت جابر، حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت عقیل بن رافع، حضرت ابودرداء اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث سنی تھیں۔ اور یہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے تم لوگ میرے پاس کیوں آتے ہو؟ ایام حج میں حکومت کی جانب سے اعلان عام ہوجاتا تھا کہ عطاء بن رباح کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار جیسے لوگ آپ کے تلمیذ خاص تھے۔

جب امام اعظم ان کی خدمت میں شرف تلمذ کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء بن رباح نے ان کا عقیدہ پوچھا، امام صاحب نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگاروں کو کافر نہیں کہتا، تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں۔ بعدہ عطاء نے آپ کو حلقۂ درس میں شامل کرلیا۔ دن بدن حضرت امام صاحب کی ذکاوت وفطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطاء ان کو اپنے سے قریب سے قریب تر کرتے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت دوسروں کو ہٹا کر حضرت امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام اعظم جب مکہ معظّمہ حاضر ہوتے تو اکثر اوقات حضرت عطاء کی بارگاہ میں گزارتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ امام اعظم تقریباً بیس سال تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظّمہ میں حضرت امام نے وقت کے ایک اور امام حضرت عکرمہ سے علم حاصل کیا۔ حضرت عکرمہ سے کون نہیں واقف ہے کہ یہ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت صفوان، حضرت جابر، حضرت ابوقتادہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ تفسیر وحدیث میں تقریباً ستر مشہور ائمہ وتابعین ان کے شاگرد ہیں۔ جب امام اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو فقہاے سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے۔ ایک حضرت سلیمان دوسرا نام نمیر تھا۔ یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم جو حضرت عمر فاروق اعظم کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت کے ساتھ ان دونوں بزرگوں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ائمہ احادیث سے بھی فیض یاب ہوئے۔ (نزہۃ القاری: ج ۱، ص ۱۲۰ تا ۱۲۲)

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے لکھا ہے ''حضرت امام اعظم نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے بھی حدیثیں اخذ کی ہیں۔ اسی بناء پر علامہ ذہبی اور دوسرے علما نے حضرت امام کا شمار محدثین کے طبقہ حفاظ میں کیا ہے''۔

پھر آگے لکھتے ہیں ''جس نے یہ خیال کیا کہ آپ حدیث کا بہت کم اہتمام کرتے تھے اس نے تساہل سے کام لیا یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی۔ یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہوسکتی ہے جس نے بے شمار مسائل کا استنباط فرمایا ہو۔ اور دلائل کے ذریعہ مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ مسائل کے استخراج واستنباط کے

کام میں مصروف تھے۔ اس لیے ان کی روایتیں نہیں پھیلیں۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی روایتیں ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں کہ یہ حضرات عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف تھے۔ اس کے برخلاف ان صحابہ کی روایتیں زیادہ پھیلیں جو عمر اور علم دونوں میں ان سے کم تھے۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو صرف احادیث روایت کرنے کا کام کرتے تھے۔ جیسے ابوزرعہ اور ابن معین۔ کیوں کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی مسائل کے استنباط میں مصروف رہتے تھے۔ پھر بھی یہ واضح رہے کہ روایت حدیث بغیر روایت کے بہت زیادہ قابل تعریف نہیں ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس کی مذمت میں ایک باب قائم کیا ہے۔ (الخیرات الحسان: ص ۶۰)

حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی اور روشن دلیل فقہ حنفی کے کلیات وجزئیات کو اٹھا کر دیکھیے، جن جن ابواب اور جن جن مسائل میں صحیح اور غیر مؤول، غیر منسوخ، کتاب کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ بدرالدین کی عمدۃ القاری شرح بخاری، علامہ کمال الدین بن ہمام کی فتح القدیر شرح ہدایہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان فی تائید مذہب النعمان، لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ ملا علی بن سلطان قاری کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے مجموعہ فتاویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کا مطالعہ کیا جائے تو میرے دعوے کی حرف بہ حرف تصدیق ہوجائے گی۔

امام اعظم اور عمل بالحدیث

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ لیکن پھر بھی بعض معاندین اہل سنت اور منکرین تقلید یوں ہی منکرین حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حدیث رسول پر اپنے قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ ان کا یہ بے جا الزام ہے۔ حضرت علامہ جوزی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمہ میں لکھا ہے ''امام اعظم کو حدیث کے مقابل میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا

جوفقہ حنفی سے جاہل ہوگا اور جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت نہیں ہوگی۔ اگر وہ منصف ہوگا تو اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے''۔

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ کہ وہ حدیث مرسل کے مقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں: (۱) قیاس موثر (۲) قیاس مناسب (۳) قیاس شبہ (۴) قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ باقی قیاس طرد تو یہ مختلف فیہ ہے۔ البتہ قیاس شبہہ کا تو ان کے یہاں بکثرت استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابل میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ مگر ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔ یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کیے۔

اس کی دوسری نظیر یہ جس کو شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعہ بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں ''غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لیے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو شیخین نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھوتی تھی۔ دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہن کر نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ بات نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی مثل گھناؤنی چیز ہے۔ اس لیے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی، کپڑے پر لگنے والی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔ ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد

کررہے ہیں۔ جب کہ احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں نجاست سے پاکی کیسے ہوگی قیاس نہیں ہے بالکلیہ سماعی ہے علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے دار قطنی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی''

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے۔ تو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے وہ دور ہوگیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجل نے کہا ''لا باس بہ'' امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔ اور احکام میں یہ بھی حجت ہے۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر بھی عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلہ قیاس پر عمل کرتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے ''کان النبی ﷺ اذا خرج اقرع بین نسائہ'' حضور ﷺ جس وقت سفر پر جاتے تھے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے، جس کا نام قرع میں نکلتا اسے ہمرکابی کا شرف نصیب ہوتا۔

اسی حدیث کو لے کر امام اعظم پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث کا انکار کیا، کہ اصولاً قمار بازی ہے جو حرام ہے۔ اس لیے اس حدیث کو کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے۔

معلوم نہیں انہوں نے امام اعظم کے یہ الفاظ کہاں سے نقل کیے ہیں۔ معتبر اور مشہور کتب میں تو امام

اعظم کا یہ قول منقول ہے ”حَکٰی اِبْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّہٗ جَوَّزَھَا ، قَالَ ھِیَ فِی الْقِیَاسِ لَاتَسْتَقِیْمُ وَلٰکِنَّا نَتْرُکُ الْقِیَاسَ فِیْ ذٰلِکَ لِلآثَارِ وَالسُّنَّةِ“ (عمدۃ القاری :باب ھل یقرع فی القسمة)

ابن منذر نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ آپ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ قیاس کے اعتبار سے تو قرعہ اندازی درست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہم قیاس کو آثار وسنت نبوی کے لئے ترک کردیتے ہیں۔

اس کی مزید توضیح کے لئے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”وَفِیْہِ صِحَةُ الْقُرْعَةِ بَیْنَ النِّسَاءِ وَبِہٖ اِسْتِدْلَالُ مَالِکٍ وَالشَّافِعِیْ وَاَحْمَدَبْنِ حَنْبَلَ وَجَمَاھِیْرِ الْعُلْمَاءِ فِی الْعَمَلِ بِالْقُرْعَةِ فِی الْقَسْمِ بَیْنَ الزَّوْجَاتِ وَالْعِتْقِ وَالْوَصَایَا وَالْقَسْمِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ (قِیْلَ) اَلْمَشْھُوْرُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِبْطَالُ الْقُرْعَةِ قُلْتُ (اَلْمَعْنٰی) لَیْسَ الْمَشْھُوْرُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِبْطَالُ الْقُرْعَةِ وَاَبُوْحَنِیْفَةَ لَمْ یَقُلْ کَذٰلِکَ وَاِنَّمَا قَالَ اَلْقِیَاسُ یَاْ بَاھَا لِاَنَّہٗ تَعْلِیْقٌ لَااِسْتِحْقَاقَ بِخُرُوْجِ الْقُرْعَةِ وَذٰلِکَ قِمَارٌ وَلٰکِنْ تَرَکْنَا الْقِیَاسَ لِلآثَارِ وَلِلتَّعَامُلِ الظَّاھِرِ مِنْ لَّدُنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی یَوْمِنَا مِنْ غَیْرِنَکِیْرٍ وَاِنَّمَا قَالَ ھٰھُنَا یَفْعَلُ تَطَیِّباً لِقُلُوْبِھِنَّ“ (عمدۃ القاری:حدیث الافک)

حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے مابین قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور علما نے مختلف امور میں قرعہ اندازی کے جواز کے لئے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ امام اعظم اس کو باطل سمجھتے ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ آپ سے ہرگز یہ مشہور نہیں۔ آپ نے ہرگز ایسا نہیں کہا ہے۔ بلکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ قیاس اسے انکار کرتا ہے۔ کیوں کہ اس میں استحقاق ملحوظ نہیں بلکہ اس میں کام کو قرعہ نکلنے سے متعلق کیا جاتا ہے۔ اور یہ جوا ہے۔ لیکن آثار اور عہد رسالت سے آج تک امت کے اس پر عمل پیرا رہنے کے لئے ہم اپنے قیاس کو ترک کرتے ہیں ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ازواج مطہرات کی پاس خاطر کے لیے ہوا کرتا تھا۔

اب روشن ہوگیا کہ امام اعظم نے قطعاً اس حدیث کو ترک نہیں فرمایا بلکہ اپنے قیاس کو جھٹک دیا۔ کیوں کہ وہ سنت نبوی سے ہم آہنگ نہیں تھا۔ امام اعظم نے اس الجھن کو بالکل صاف کرکے رکھ دیا کہ

اگر کہیں قیاس اور سنت میں تقابل ہوجائے اور تمہیں اپنے قیاس کی درستی کا پختہ یقین کیوں نہ ہو اس وقت بھی اپنے قیاس چھوڑ دو اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہوجاؤ۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے اور یہی حقیقت حقہ ہے۔

عام طور پر منکرین سنت کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی حدیث کو اپنے قیاس کے مطابق نہیں پاتے تھے تو حدیث کو ترک کردیا کرتے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ اور اسی چیز کو وہ اپنے لیے ترک سنت کی سند قرار دیتے تھے۔

کیا حقیقتاً امام اعظم اپنے قیاس کے مقابل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ترک کردیتے تھے؟ یا یہ الزام ہے اور بالکل بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے؟

جس شخص کی فقہ حنفی پر وسیع نظر ہے اس سے تو یہ امر مخفی نہیں کہ ہزاروں مسائل ایسے ہیں جہاں امام اعظم نے اپنے قیاس کو ترک کرکے حدیث نبوی پر عمل کیا خواہ وہ حدیث خبر واحد ہو۔ ان کھلے شواہد کے باوجود یہ کہنا کہ امام صاحب حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے یہ بالکل بے بنیاد اتہام ہے۔

اب امام اعظم کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں تاکہ مزید شک وشبہہ کی گنجائش نہ رہے۔ آپ اپنے طریقۂ اجتہاد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اِنَّا نَاْخُذُ اَوَّلاً بِکِتَابِ اللّٰہِ ثُمَّ بِالسُّنَّةِ ثُمَّ بِاَقْضِیَةِ الصَّحَابَةِ وَنَعْمَلُ بِمَایَتَّفِقُوْنَ عَلَیْہِ فَاِنِ اخْتَلَفُوْا قِسْنَا حُکْماً عَلٰی حُکْمٍ یُجَامِعُ لِلْعِلَّةِ بَیْنَ الْمَسْئَلَتَیْنِ حَتّٰی یَتَّضِحُ الْمَعْنٰی“

ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں، اس کے بعد سنت رسول اللہ پر بعدہ صحابۂ کرام کے فیصلوں پر نظر کرتے ہیں ۔جن مسائل میں وہ متفق ہوں، ان پر عمل کرتے ہیں ۔ اور جن میں ان کا اختلاف ہو، وہاں ہم علت حکم کے وجود سے ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

ایک دوسرا قول جو آپ سے مروی ہے اس میں صاف تحریر ہے کہ وہ قیاس پر صرف اس وقت عمل کرتے ہیں جب قرآن وسنت سے اس کا حکم معلوم نہ ہوسکے۔ فرماتے ہیں:

”نَحْنُ لَانَقِیْسُ اِلَّاعِنْدَالضَّرُوْرَةِ الشَّدِیْدَةِ وَذٰلِکَ اِنَّانَنْظُرُفِیْ دَلِیْلِ الْمَسْئَلَةِ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ اَوْاَقْضِیَةِ الصَّحَابَةِ، فِاِنْ لَمْ نَجِدْدَلِیْلاً قِسْنَاحِیْنَئِذٍمَسْکُوْتاً عَنْہُ عَلٰی مَنْطُوْقٍ بِہٖ“

(المیزان للشعرانی)

ہم انتہائی مجبوری کے بغیر قیاس نہیں کرتے ہیں۔ کسی مسئلہ کی دلیل کے لئے پہلے ہم قرآن وسنت اور صحابہ کے فیصلوں میں غور کرتے ہیں ۔ اوراگرکہیں دلیل نہ ملے اس وقت ہم مسئلہ کوجس کا حکم کتاب وسنت میں مذکورنہیں،اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جس کا حکم مذکور ہے۔

ایسی کھلی اور واضح تصریحات کے بعدبھی یہ کہنے کہ جرأت کرسکتا ہے۔ کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنت نبوی کی موجودگی میں اپنے قیاس پرعمل کرتے تھے۔آپ کا یہ ارشاد سنئے جو یقیناً تقویت ایمان کا باعث ہوگا۔

”وَکَانَ یَقُوْلُ مَاجَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَعَلَی الرَّأْسِ وَالْعَیْنِ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ وَلَیْسَ لَنَامُخَالَفَتُہٗ“

آپ کہا کرتے تھے کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہونچے وہ ہمارے سراورآنکھوں پر ہے۔ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں۔ ہماری یہ مجال نہیں کہ ہم حضور ﷺ کے کسی فرمان کی مخالفت کریں۔(سنت خیرالانام: از پیر کرم شاہ ازہری)

یہ وہ اقوال ہیں جن کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منکرین تقلید سنت کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام ابوحنیفہ اپنے قیاس کوسنت مصطفیٰ ﷺ پرترجیح دیتے تھے۔ یہ کیوں کر صحیح اوردرست قرار دیا جاسکتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اورارباب فضل وکمال کا اعتراف

اسی باعث پرپوری دنیائے اسلام آپ کی مداح ہے اورآپ کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اورمجتہدانہ صلاحیت کا خطبہ پڑھتی نظرآتی ہے۔خود آپ کے ہم عصرعلما،محدثین اورقرآن وحدیث کے رمزشناس آپ کی علمی جلالت کی شہادت دے رہے ہیں۔آئندہ سطور میں ارباب فضل وکمال کی شہادتیں پڑھئے اورحضرت امام اعظم کی عظمتوں کوسلام عقیدت پیش کیجئے۔

امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”مَنْ اَرَادَ اَنْ یَتَبَحَّرَفِی الْفِقْہِ فَھُوَعَیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اِنَّہٗ مِمَّنْ وُفِّقَ لَہُ الْفِقْہُ، ھٰذِہٖ رِوَایَۃُ الْحُرْمُلَۃِ“

آپ نے فرمایا کہ جوشخص فقہ میں عبورحاصل کرنا چاہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے۔کیوں کہ وہ ان میں سے ہیں جنھیں فقہ کا علم دیا گیا۔

اور یہ بھی فرمایا ”مَنْ اَرَادَ اَنْ یَعْرِفَ الْفِقْہَ فَلْیَلْزِمْ اَبَاحَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابَہٗ فَاِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ عَیَالٌ فِی الْفِقْہِ“ جوفقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے شاگردوں کا دامن پکڑے اس لیے کہ سب لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔

حموی نے اشباہ ص ۲۸، میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا یوں تذکرہ فرمایا ہے:

”عَبْدُاللّٰہِ بْنِ الْمُبَارِکِ یَقُوْلُ اِنَّ الْاَثَرَ قَدْعُرِفَ وَاِنْ احْتَجَّ اِلَی الرَّایِ فَرَایُ مَالِکٍ وَسُفْیَانَ وَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبُوْ حَنِیْفَۃَ اَحْسَنُھُمْ رَاْیاً وَاَدَقُّھُمْ فِطْنَۃً وَاَغْوَصَھُمْ عَلَی الْفِقْہِ وَھُوَاَفْقَہُ الثَّلَاثَۃِ“

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ حدیث شناس تھے۔ اگررائے اورقیاس کی ضرورت ہوتو مالک،سفیان اورابوحنیفہ کی رائے معتبر ہے۔اورابوحنیفہ ان میں ذہانت کے اعتبار سے احسن وادق اورفقہ کے غوطہ زن ہیں۔اوران تینوں میں افقہ ہیں۔

امام اوزاعی ابتداءً امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت امام اوزاعی کی خدمت میں تحصیل علم حدیث کے لیے حاضر ہوئے توانھوں نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون ہے؟ جودین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتا رہتا ہے۔عبداللہ بن مبارک نے ان کو جواب نہ دیا اورواپس چلے آئے۔دوتین دن بعد گیے توساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے۔سرورق پرلکھا ہوا تھا ”قال نعمان بن ثابت“ ان اوراق کوبغور پڑھتے رہے پھرسوال کیا کہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں۔ کہا بڑی شان کے شیخ ہیں۔ جاؤ ان سے بہت سافیض حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کوآپ نے مبتدع کہا ہے اورمجھے ان کے پاس جانے سے روکا تھا۔اب امام اوزاعی کواپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب حج کے لیے مکہ معظّمہ آئے توامام اعظم سے ملاقات ہوئی اورانھیں مسائل کا ذکرآیا۔امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح تشریح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدررہ گیے۔عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے امام اعظم کے جانے کے بعدان سے کہا کہ ان کے فضل وکمال نے انہیں محسود بنادیا ہے۔ مجھے یقین ہو

گیا۔ میری بدگمانی غلط تھی۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں سے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ امام باقر نے امام اعظم سے کہا وہ تمہیں ہو جو قیاس کو میرے جدامجد کی حدیث پر ترجیح دیتے ہو۔ امام اعظم نے عرض کیا معاذ اللہ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اذن فرمائیں تو کچھ عرض کروں۔ بعد اذن امام اعظم نے عرض کیا حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا ''عورت'' عرض کیا وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا ''مرد'' عرض کیا میں قیاس کو ترجیح دیتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔ پھر عرض کیا نماز افضل ہے یا روزہ؟ فرمایا ''نماز'' عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہئے۔ اگر خلاف احادیث قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا ضرور کرے۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی۔

امام المحدثین، جلیل القدر تابعی سلیمان اعمش، صحابی رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ ان سے کسی شخص نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ اس وقت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں حاضر تھے۔ امام اعمش نے وہ مسائل امام اعظم سے پوچھے آپ نے فوراً ان کے جوابات مرحمت فرمادیئے۔ امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے دیئے؟ آپ نے فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔ پھر آپ نے وہ حدیثیں سند کے ساتھ سنادیں۔ امام اعمش نے کہا:

''حَسْبُکَ مَا حَدَّثْتُکَ بِهٖ فِیْ مِائَةِ یَوْمٍ تُحَدِّثُنِیْ بِهٖ فِیْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ، مَاعَلِمْتُ اَنَّکَ تَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ، یَامَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَةُ، وَاَنْتَ اَیُّهَا الرَّجُلُ اَخَذْتَ بِکِلَا الطَّرْفَیْنِ''

بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنادیئے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین دوا فروش ہیں۔ اور اے ابوحنیفہ! تم تو فقہ و حدیث دونوں کے جامع ہو۔

یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فن فقاہت و حدیث میں مقام۔ جس کا اعتراف ان کے ہم عصر علما و محدثین نے کیا ہے۔

دنیائے فقاہت میں ترا نام رہے گا نعمان ترے نام سے اسلام رہے گا

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اساتذۂ کرام اور تلامذہ

سراج الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے اساتذہ کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ کتاب ''تہذیب الکمال'' میں چھتیس اسماء اساتذہ کی ایک فہرست درج ہے۔ جسے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے عمدۃ الرعایۃ مقدمہ شرح وقایہ میں نقل کیا ہے۔ وہ فہرست تبرکاً پیش خدمت ہے:

(۱) حضرت نافع مولی ابن عمر (۲) موسیٰ ابن ابی عائشہ (۳) حماد بن سلیمان (۴) محمد بن شہاب الزہری الاعرج (۵) عکرمہ مولی ابن عباس (۶) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۷) ابراہیم بن محمد (۸) جبلہ سحیم (۹) قاسم المسعودی (۱۰) عون بن عبداللہ (۱۱) علقمہ بن مرشد (۱۲) علی اقمر (۱۳) عطاء بن رباح (۱۴) قابوس بن حبیسان (۱۵) خالد بن علقمہ (۱۶) سعید بن مسروق الثوری (۱۷) سلمہ بن کہیل (۱۸) سماک بن حرب (۱۹) شداد بن عبدالرحمٰن (۲۰) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۲۱) ابوجعفر محمد الباقر (۲۲) اسماعیل بن عبدالملک (۲۳) حارث بن عبدالرحمٰن (۲۴) حسن بن عبداللہ (۲۵) حکم بن عتیبہ (۲۶) طریف بن سفیان العدی (۲۷) عامر بن سبیعی (۲۸) عبدالکریم بن ابی امیہ (۲۹) عطاء بن سائب (۳۰) محارب بن دثار (۳۱) محمد بن سائب (۳۲) معن بن عبدالرحمٰن (۳۳) منصور بن معتمر (۳۴) ہشام بن عروہ (۳۵) یحیٰ بن سعید (۳۶) ابوزبیر مکی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تلامذہ:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی صحیح تعداد متعین کرنا مشکل ہے۔ کیوں کہ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فن فقاہت میں ہوئی۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت صرف فن حدیث میں ہوئی۔ ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں اعتبار سے ممتاز تھے۔ ان تینوں گروہوں میں سے جنہیں درجۂ اجتہاد حاصل ہے ان کے چند اسمائے گرامی ناظرین کے پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف (۲) حضرت امام محمد بن حسن شیبانی (۳) حضرت امام زفر بن ہذیل (۴)

حضرت امام عبداللہ بن مبارک استاذ امام بخاری (۵) حضرت امام حسن بن زیاد (٦) حضرت ابو مطیع بن بلخی (۷) حضرت وکیع بن جراح (۸) حضرت زکریا بن زائدہ (۹) حضرت حفص بن غیاث نخعی (۱۰) حضرت داؤد طائی رئیس الصوفیہ (۱۱) حضرت یوسف بن خالد سمتی (۱۲) حضرت اسد بن عمر (۱۳) حضرت نوح بن مریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (نزہۃ القاری: ص۱٦۰ تا ۱٦۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اخلاق وکردار

اخلاق وکردار آدمی کی شخصیت سازی میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ علم میں انسان کوہ ہمالہ کیوں نہ ہو مگر اخلاق وکردار کا نقص شخصیت کو ناقص کر دیتا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اخلاق وکردار کے آئینہ میں ایک چمکدار ستارہ تھے۔ جن کی تصدیق ان کے ہم عصر علما و مشائخ نے فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہ غیبت کرنے والوں سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان ثوری نے فرمایا اللہ کی قسم وہ بہت عقل مند تھے۔ وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضایع کر دے۔

ضمرہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ درست زبان تھے۔ انہوں نے کسی کا ذکر برائی سے نہیں کیا اور جب ان سے کہا گیا کہ لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جس کو جو چاہے عطا کر دے۔

بکیر بن معروف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''امت محمدی میں کوئی شخص میں نے امام ابوحنیفہ سے بہتر نہیں دیکھا'' (الخیرات الحسان: ص۱۳۲)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے اخلاق وکردار کو بیان کرو تو انہوں نے فرمایا کہ امام اعظم حرام چیزوں سے خود بھی پرہیز فرمایا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے پرہیز کرانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت خوف کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیا داروں سے بیزار رہتے تھے۔ اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے

باوجود عاجزی وانکساری کے پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن وسنت میں اس کوئی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہ خدا میں علم اور مال و دولت خوب خرچ کرتے۔ ان کا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا۔ لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے تھے۔ اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون رشید نے کہا ''صالحین کے اخلاق وکردار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف جمیلہ لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا ان اوصاف حمیدہ کو یاد کر لو''۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ص۷٦)

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مجھے امام اعظم کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہل علم کو دل وجان سے چاہتے تھے۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم وتدریس میں گزرتا اور باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس وتدریس کی مجلس ہوتی۔ اور باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء ومساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے۔ یہاں تک کہ آپ وصال فرما گیے''۔ (مناقب للموفق: ص۴۰۰)

معانی بن عمران موصلی کہتے ہیں ''امام ابوحنیفہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جائے گا۔ (۱) پرہیز گاری (۲) سچائی (۳) فقہی مہارت (۴) عوام کی خاطر و مدارت (۵) سخاوت (٦) پرخلوص ہمدردی (۷) لوگوں کو نفع پہونچانے میں سبقت (۸) طویل خاموشی یعنی فضول گفتگو سے پرہیز (۹) گفتگو میں حق بات کہنا (۱۰) مظلوم کی معاونت کرنا خواہ دشمن ہو یا دوست'' (مناقب للموفق: ص۲۲۴)

یہ ہیں امام اعظم کے حسن اخلاق وکردار جس کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود

ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ جس طرح علم میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں۔ اسی طرح حسن و اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا ہے۔

امام ابو یوسف نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا'' (الخیرات الحسان: ص ۱۳۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک جامع کمالات، مجمع الصفات، گونہ گوں خوبیوں کے حامل، متقی، پرہیز گار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے۔ دنیا بیزاری آپ کی رگ رگ میں بسی تھی۔ آپ زہد و تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے۔

حضرت اسد بن عمرو نے فرمایا کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور رات بھر میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے۔ خشیت الٰہی سے جو رونے کی آواز پیدا ہوتی، آپ کے پڑوسی سنتے اور رحم کھاتے۔ جس جگہ آپ کی روح مبارک نے قفس عنصری سے پرواز کی وہاں آپ نے ستر ہزار مرتبہ ختم قرآن فرمایا۔ اور حضرت حسن بن عمارہ نے آپ کو غسل دیتے وقت فرمایا کہ اللہ آپ کو بخش دے اور رحم فرمائے کہ آپ تیس سال روزے تھے۔ اور چالیس سال تہائی رات تک بغرض استراحت تکیہ نہیں استعمال فرمایا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک بار نماز جنازہ پڑھنے تشریف لے گئے۔ دھوپ کی بڑی شدت تھی۔ سائے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی میں ایک شخص کا مکان تھا۔ لوگوں نے اس مکان کا سایہ دیکھ کر عرض کیا حضور اس سایہ میں کھڑے ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مالک مکان میرا مقروض ہے اگر میں نے اس کی دیوار سے کچھ نفع حاصل کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ عنداللہ میں کہیں سود لینے والوں میں شمار نہ ہو جاؤں۔ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس قرض سے نفع لیا جائے وہ سود ہے۔ چنانچہ آپ دھوپ میں کھڑے رہے۔

یہ امام اعظم کا کمال تقویٰ اور حدیث رسول ﷺ پر گہری نظر کہ آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ صاحب مکان کی دیوار سے فائدہ حاصل کروں۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے آپ کو بلا کر کہا کہ عہدۂ قضا قبول کر لیں اور میری مملکت کے آپ قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بن جائیں آپ نے فرمایا میں اس کے قابل نہیں۔ اس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تم سے زیادہ کون اس کے لائق ہوگا؟ آپ نے کہا اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ میں جج بننے کے قابل نہیں۔ کیوں کہ جھوٹا آدمی جج نہیں بن سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل دیئے۔

یہ ہے امام اعظم کی دنیا بیزاری۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے جو اللہ کا محبوب بندہ ہوتا ہے اسے کسی دنیا دار کے عہدے کی لالچ نہیں ہوتی اور اگر دنیا ان کے پیچھے دوڑتی، وہ دنیا سے حتیٰ الامکان دور بھاگتے۔ پھر بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو روپیہ پیسہ خرچ کر کے اور دن و رات کوشش کر کے کسی بڑے عہدے پر پہونچنے کی کوشش کریں پھر وہ بھلا اتنے بڑے متقی و پرہیز گار امام کی شان میں گستاخی کریں، تو اس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہوگا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تجارت و سخاوت

عربی لغت میں خزاز ریشمی کپڑے کے تاجر کو کہتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کی تجارت نہایت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے لین دین کا معاملہ رہتا تھا۔ بڑے بڑے کارخانوں کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ (دانہ) بھی ان کے خزانے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر ان کو کچھ پرواہ نہیں تھی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل و ماہر تاجر ہوئے اور وہ چار صفات مندرجہ ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) آپ کا نفس غنی تھا۔ لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔

(۲) آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

(۳) آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

(۴) آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصاف حمیدہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اس وجہ سے آپ طبقات تجار میں انوکھے تاجر شمار ہوئے۔ اس لئے اکثر حضرات آپ کی تجارت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دیتے تھے۔ گویا آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کررہے ہیں، اوران کے طور وطریقہ پر چل رہے ہیں۔ جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ خریدتے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل تھے۔ جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس ریشمی کپڑے کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے۔ فروخت کرنے سے پہلے خریدار سے عیوب کا ظاہر کردینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بیچ ڈالے اور خریدار کو عیوب سے مطلع نہ کیا۔ جب امام اعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت افسوس کا اظہار کیا۔ تمام تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی، سب غریبوں پر تقسیم کردیا۔

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس خز (ریشمی کپڑا) کا تھان بیچنے کی غرض سے حاضر ہوئی۔ آپ نے قیمت پوچھی، اس نے سو روپیہ بتایا۔ آپ نے فرمایا بہت کم ہے اور کپڑا قیمتی ہے۔ اس نے کہا تب دوسو روپئے۔ آپ نے فرمایا پھر بھی کم ہے۔ یہ کپڑا پانچ سو روپئے سے کم قیمت کا نہیں۔ اس نے متعجب ہوکر کہا شاید آپ مجھ سے مذاق کررہے ہیں۔ امام صاحب نے پانچ سو روپئے اپنی جیب سے نکالے اور دے دیئے اور تھان کو رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے آپ کے کارخانہ کو بجائے نقصان پہونچانے کے اور بھی دوبالا کردیا۔

امام اعظم نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کی بھلائی کے لیے بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے بلکہ اپنے نفع میں سے اس کو دے دیا کرتے تھے۔

ایک ضعیف عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا میرے اندر زیادہ استطاعت نہیں ہے۔ اس لیے یہ کپڑا جتنے میں آپ نے خریدا ہے اسی دام پر میرے ہاتھ فروخت کردو۔ آپ نے فرمایا تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی میں ایک ضعیف عورت ہوں میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو؟ کیوں کہ یہ قیمت بہت کم ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑا میں اتنی قیمت

میں فروخت کرچکا ہوں جو دونوں کی قیمت خرید سے چار درہم کم ہے۔ اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے تم چار درہم میں اسے لے لو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر زندگی بسر کریں اور آپ کے اقوال وافعال اور خصائل کی پیروی کریں۔ کیوں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے اور حضور ﷺ سے قرابت اس لیے تھی کہ وہ مزاج شناس عادات رسول ﷺ تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ متقی وپرہیزگار، عالم، فقیہ، عبادت گزار، سخی اور جاں نثار تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین عظام میں سب سے زیادہ علم والے، سب سے بڑے متقی وپرہیزگار، سب سے کامل عبادت گزار اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ شریف میں دوکانداری کرتے تھے۔ کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابوحنیفہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور ﷺ کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کرلیا تھا (مناقب للموفق: ص ۱۰۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد صرف دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کی غرض لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے وظیفے مقرر کررکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کردیا تھا۔ کہ اس سے جو بھی نفع ہوتا تھا سالہا سال ان لوگوں کو پہونچادیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول یہ تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی مقدار میں علما ومحدثین کے پاس بھیجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور اگر حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت روائی فرماتے۔ اور شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے تو اس کی ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ اطمینان وسکون سے علم کی تکمیل کرسکے۔ بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا تھا آپ ہی کی دستگیری کی وجہ سے بڑے بڑے رتبوں کو پہونچے۔ ان میں قاضی ابو یوسف کا نام نمایاں ہے۔

امام اعظم تجارت کا نفع سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثین کی ضروریات مثلاً کھانے پینے اور پہننے کا لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت عالیہ میں پیش کردیا کرتے تھے۔ اور جو روپیہ نقد

باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے کہ میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا ہے۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل وکرم سے آپ حضرات کے لیے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے، جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ (مناقب للموفق: ص۲۷۶)

امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کہتے ہیں ''امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جب بھی اپنے لئے یا اپنے گھر والوں کے لیے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں علماو مشائخ کے لئے خریدتے''۔ (الخیرات الحسان: ص۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بیان ہے'' آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زیادہ دینے والا نہیں دیکھا تو فرماتے اگر تم میرے استاذ حضرت حماد کو دیکھ لیتے تو ایسا نہیں کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا۔ آپ اس سے فرماتے کہ شکر اللہ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی ہم کو دی ہے۔ (الخیرات الحسان: ص۱۳۶)

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے خستہ حال دیکھا تو جب لوگ رخصت ہو کر جانے لگے تو آپ نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ حکم ملتے ہی رک گیا۔ آپ نے مصلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس کو اٹھاؤ اور جو کچھ اس کے نیچے ہو لے لو۔ اور اس سے اپنی حالت سنوار لو۔ اس نے مصلیٰ اٹھا کر دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی۔ اس نے عرض کیا میں دولت مند ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کا اثر کا دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم اپنی حالت بدل لو تا کہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارے محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو اور تمہارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔ (الخیرات الحسان: ص۱۴۳)

ایک دفعہ آپ کسی بیمار کی عیادت کے لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص ملا جو آپ کا مقروض تھا اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے پکارا وہ کھڑا ہو گیا آپ نے قریب پہونچ کر فرمایا تم مجھ کو دیکھ کر راستہ کیوں تبدیل کر رہے تھے۔ اس نے جواب دیا حضرت آپ کا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکا۔ اس شرم کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ امام صاحب اس کی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس سے

میں معذرت خواہ ہوں۔ (ایضا: ص۱۳۶)

ایک بار سفر حج میں عبداللہ بن بکر سہمی کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا اس نے ان کو پکڑ کر امام صاحب کی خدمت عالیہ میں پیش کیا کہ یہ میرا قرض ادا نہیں کرتا ہے امام صاحب نے عبداللہ سے اس کی حقیقت معلوم کی، انہوں نے سرے سے انکار کر دیا۔ آپ نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے؟ اس نے کہا چالیس درہم۔ متعجب ہو کر فرمایا کہ لوگوں کے دلوں سے مروت وحمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنے سے معاملہ پر جھگڑتے ہو۔ مجھے شرم ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنی جیب سے چالیس درہم ادا کئے۔ (مناقب للموفق: ص۲۷۲)

امام اعظم کے صاحبزادے حماد نے جب اپنے استاذ سے بسم اللہ خوانی کی تو آپ نے ان کے استاذ کو ایک ہزار درہم بطور نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے کہ حضور میں نے کون سا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم نذرانہ میں دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جس خلوص وفراخ دلی سے عوام وخواص کی خدمت کی ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے بتانے کے لئے بیٹھ جاتے وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔ آپ ان سے بھی ان کی ضروریات کے متعلق پوچھتے اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے، اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کے علاج کے لئے رقم دیتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت روائی فرماتے، اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اس کے کہے بغیر فراست باطنی سے اس کا مدعا جان لیتے۔ یہ ہے امام اعظم کی دریا دلی اور سخاوت کا جذبہ ہے کہ اپنے بھی پرائے بھی آپ کی دریا دلی اور جود وسخا سے مستفیض ہوتے رہے۔ لیکن ہمارا حال اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ کیوں کہ ہم ان اوصاف سے کوسوں دور ہیں۔ اللہ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ایضاً: ص۲۷۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور تدوین فقہ

انسان کی معاشرت وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنادیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے بے نیاز ہوجائے تو یہ محال بات ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے۔ اس لیے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے، اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں۔ اب ہر انسان کو اس کا مکلّف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے، تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ امت کے جن علما کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت و استعداد دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی و مطالب سے کماحقہ واقف ہیں اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت و اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کردیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد صلاحیت سے قرآن و احادیث اور اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا۔ جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب، اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اس وقت تک نہ تو استدلال و استنباط مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول وضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا۔ یہ بھی تدوین فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جارہے تھے۔ اطراف و بلاد سے سیکڑوں استفتاء امام اعظم کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ عزم کیا کہ احکام و مسائل کے وسیع و کثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دے کر ایک جامع فن کی شکل دے دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوین فقہ کے عظیم کارنامہ کے لئے اپنے ان شاگردوں کو تیار کیا جن کو سالہا سال تک انہوں نے اپنے مدرسہ قانون میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن وحدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ وسیر کی تعلیم حاصل کرچکے تھے۔ مختلف شاگرد مختلف علوم کے مخصص اور ماہر سمجھے جاتے تھے۔ کسی کو قیاس اور علوم عقلیہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ کسی کے پاس احادیث اور صحابہ کرام کے فتاوی اور پچھلے خلفاء وقضاۃ کے مظاہر کی وسیع معلومات تھیں۔ اور کسی کو علم تفسیر یا قانون کے کسی خاص شعبے، یا لغت اور نحو یا مغازی کے علم میں اختصاص حاصل تھا۔ ایک دفعہ امام صاحب نے خود اپنی گفتگو میں بتایا کہ یہ کس مرتبے کے لوگ تھے۔

''یہ بروایت مختلف ۳۶/ یا ۴۰/ آدمی ہیں جن میں سے قاضی ہونے کے لائق ہیں۔ ۶/ فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور دو اس درجہ کے آدمی ہیں کہ قاضی تیار کرسکتے ہیں''۔ (مناقب للموفق: ج ۲، ص ۲۴۶)

چونکہ فقہ زندگی کے شعبہ سے متعلق مسائل پر مبنی ہے۔ اس لیے امام اعظم نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کیا، اور پھر ان کی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہوگیے۔ طریقہ تدوین یہ تھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث میں ان کی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امام اعظم نہایت خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے رہتے، پھر جب آپ کلام کا آغاز کرتے تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔

ایک دن امام اعظم کسی مسئلہ پر گفتگو فرمارہے تھے اور سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا ''پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابو حنیفہ کے لئے ان حضرات کو خاموش کرایا''۔ (ایضاً: ص ۴۱۲)

امام اعظم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے، کبھی تو آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب ان کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو ان کے اراکین اس مسئلہ کو اس قدر گردش کر دیتے تھے اور اس کے ہر پہلو کا اس قدر غور وفکر سے جائزہ لیتے تھے کہ بالآخر اس کا حل روشن ہو جاتا''۔ (مناقب لکردری، ج۲ص۳)

صدر الائمہ علامہ موفق لکھتے ہیں ''امام اعظم نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا اور سول سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان کے سامنے لاتے تھے، جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا آخر جب ایک رائے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کر دیتے۔'' (حیات امام اعظم، ص۳۴۱)

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں ''ایک مرتبہ اس مجلس میں تین دن تک مسلسل ایک مسئلہ پر بحث ہوتی رہی تیسرے دن شام کے وقت میں نے جب اللہ اکبر کی آواز سنی تو پتہ چلا کہ اس بحث کا فیصلہ ہو گیا''۔ (مناقب امام اعظم لکردری ج۲ص۱۰۸)

خطیب بغدادی تحریر فرماتے ہیں ''اگر کسی مسئلہ میں بحث کا آغاز ہوتا اور امام عافیہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم فرماتے اس بحث کو عافیہ کے آنے تک جاری رکھو، جب وہ آجاتے بالآخر سب کی رائے متفق ہو جاتے تو امام اعظم فرماتے اس مسئلہ کو لکھ لو''۔ (تاریخ بغداد: ج۱۲ص۱۰۸)

ان ۳۶ یا ۴۰ حضرات میں سے دس بارہ ائمہ کرام کی ایک خصوصی مجلس قائم تھی (جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر بن ہذیل، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے) جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی۔ اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ دستور اسلامی کا عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سالوں تک جاری رہا حتی کہ آپ کی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ ''کتب فقہ حنفی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسائل مدون کئے۔ ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے۔ (ذیل الجواہر ج۲،ص۴۷۲)

شبلی نعمانی نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل کی تدوین فرمائی ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو، لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ کتابوں سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ (سیرۃ النعمان: ص۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے شاگردوں کو تدوین فقہ کا اس قدر ماہر بنا دیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری وساری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع بن جراح سے کہا ''امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی'' تو امام وکیع نے فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ '' **اولئک کالانعام بل هم اضل**'' چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور زفر جیسے فقہ کے امام تھے۔ اور یحییٰ بن زکریا، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے۔ اور قاسم بن معن لغت و عربیت کے ماہر تھے۔ اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس ساتھ ایسے حضرات ہوں تو اس سے خطا کیوں کر ممکن ہے۔ کیوں کہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے۔ (الخیرات الحسان: ص۱۰۰)

امام وکیع بن جراح کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امام اعظم کے ساتھ تدوین فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم لوگ علم و فضل کے اعتبار سے استاذ زمانہ اور رہبر و رہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان اکابرین امت نے امام اعظم کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ رہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذہب ثلاثہ (مالکی، شافعی، حنبلی مذاہب) کے لئے نشان راہ اور سنگ میل بنا دیا۔

فقہا نے کیا خوب فرمایا ہے ''فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی نے اسے کاٹا، حضرت حماد رحمہ اللہ نے اس کا اناج جدا کیا، امام ابو حنیفہ نے سے پیسا، امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں

اس کے کھانے والے ہیں''۔(درمختار)

امت مسلمہ کی سہولت اور علماے کرام کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین کتب کی ضرورت محسوس کی اور علم شریعت کی تدوین فرمائی۔

یقیناً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کی تدوین فرمائی ہے اور اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے۔ پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں امام ابوحنیفہ کی پیروی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا اعتماد انہی قوت حافظہ پر تھا۔ جب امام ابوحنیفہ نے دیکھا کہ علم شریعت اکناف عالم میں پھیل گیا ہے تو آپ کو اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ لہٰذا آپ نے اس کو ابواب اور کتابوں پر مرتب اور منضبط کیا۔ ابتدا کتاب الطہارات سے کی۔ پھر کتاب الصلوٰۃ، کتاب العبادات، کتاب المعاملات کو بیان کیا۔ اور کتاب المیراث پر اس مسئلہ کو ختم کیا کیوں کہ اس کا تعلق انسان کی آخرت سے ہے۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط تصنیف کی۔

امام اعظم سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام اعظم نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔(تبییض الصحیفہ :ص ۴۵)

تصنیفات امام اعظم رضی اللہ عنہ

زمانہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں تصنیف و تالیف کا کوئی باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ فقہی ترتیب پر تصنیف و تالیف کا مستقل اہتمام کا آغاز دوسری صدی ہجری سے ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین فقہ کے لیے کوفہ میں مجلس فقہ قائم کی تھی۔ جس میں آپ شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔

اس علمی ذخیرہ کو آپ کے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا۔ اس طرح یہ روایات ان ہی کی طرف منسوب ہوگئیں۔ گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف آپ ہی کی تصانیف ہیں۔ پھر بھی کچھ کتابیں آپ کے نام باقی رہ گئیں جن کا مختصر تعارف ناظرین کو پیش ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت مشہور زمانہ تصنیف ''فقہ اکبر'' ہے جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ شارحین حضرات نے اس کی متعدد شرحیں لکھی ہیں۔ مثلاً محی الدین محمد بن بہاؤ الدین، مولیٰ الیاس بن ابراہیم ایسلوبی، مولیٰ احمد بن محمد للعساوی، حکیم اسحاق شیخ اکمل الدین، ملاعلی قاری، جن میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سب زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الابسط، کتاب الرد علی القدریۃ، العالم والمتعلم، کتاب الرای، رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء، کتاب اختلاف الصحابۃ، کتاب الجامع، مکتوب وصایا، (ماثر امام اعظم، ص ۲۰۹)

خدمت حدیث میں امام اعظم کا حصہ:۔ آپ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتابیں تھیں، جنہیں امام محمد بن محمود بن خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا کردیا ہے۔ مقدمہ میں انھوں نے ان سب کو جمع کرنے کی علت یہ لکھی ہے کہ بعض جاہلوں نے شام میں یہ مشہور کررکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم کی احادیث سے جمع کیے تھے اکٹھا کردیا۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاسنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی (۹) مسند امام قاضی ابویوسف یعقوب (۱۰) مسند امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۱) مسند امام حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) آثار امام محمد بن حسن (۱۳) مسند امام عبداللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا اور ان کی اکابر محدثین تک اسناد بھی بیان کردی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں۔ مثلاً (۱۴) مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی (۱۵) مسند امام حصکفی (محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے) (۱۶) مسند امام

ماوردی (۱۷) مسند ابن البز ازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ علیہ نے ''تانیب الخطیب'' میں امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے۔ جن کی سندیں متصل ہیں۔ حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے ''عقود الجمان فی مناقب النعمان'' میں امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔ (مقامات امام اعظم: ص ۴۳۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''مناقب الامام اعظم'' میں تحریر فرمایا ہے ''امام اعظم سے محدثین اور فقہا کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں''۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الکمال'' میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سیکڑوں محدثین کی سند امام اعظم سے روایات مذکور ہیں۔ جن میں اکثر وہ علماء ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد دوسروں کے شیوخ اور اساتذہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔ ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم نے براہ راست صحابہ سے سنی ہیں۔ ثلاثیات تو اکثر ہیں۔ جن میں امام اعظم اور حضور ﷺ تک (درمیان میں) صرف تین راوی ہیں۔

گذشتہ سطور میں امام اعظم کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جس طرح فقہ کو با قاعدہ مرتب و مدون کرایا ہے۔ اسی طرح حدیث کا سرمایہ جو منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ اس کو بھی با قاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا، آپ کے مسانید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر روایات دو واسطوں سے حضور ﷺ تک پہونچتی ہیں۔ اس سے صحت وقوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک اس خصوصیت میں شریک ہیں مگر ان کی مرویات میں سب سے عالی یہی مرویات ہیں۔ جب کہ امام اعظم کی مرویات میں وحدانیات بھی موجود ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصایا

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:

''اَنْتُمْ مُسَارُّ قَلْبِیْ وَجَلاءُ حُزْنِیْ اَسْرَیْتُ لَکُمُ الْفِقْهَ وَالْجَمْتُهٗ، وَقَدْتَرَکْتُ النَّاسَ یَطُوْوْنَ اَعْقَابَکُمْ وَیَلْتَمِسُوْنَ اَلْفَاظَکُمْ، مَامِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّاوَھُوَیَصْلَحُ لِلْقَضَاءِ فَسَأَلْتُکُمْ بِاللّٰهِ وَبِقَدْرِ مَاوَھَبَ اللّٰهُ لَکُمْ مِنْ جَلَالَةِ الْعِلْمِ لَمَا مَسَّتُمُوْهُ عَنْ ذِلِّ الْاِسْتِجَارِ'' (ابوحنیفة حیاته وعصره آراؤه وفقهه: ابوزهرة، ص ۱۸۷)

تم میری مسرت وشادمانی کا سامان اور میرے غم واندوہ کو دور کرنے والے ہو میں نے تمہارے لئے فقہ پر زین کس دی ہے اور لگام لگا دی ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ تمہارے نقش قدم پر چلیں اور تمہارے ارشادات کا طلب گار ہوں۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم سے اللہ کا اور اس رتبہ کا جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں کہ اس علم کو اجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے، ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کے مابین انصاف کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضاء سے علیحدہ ہو جانا۔ تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر منصب قضاء پر قائم رہ کر مخلوق خدا کی خدمت کرنا۔

ایسے لوگ جو امور دنیا سے الگ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگانا کہ وہ تم سے مل نہ سکیں۔ ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازہ کھلا رکھنا۔ پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا کہ جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لئے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ بعد نماز عشاء تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جا سکو تو اتنے دن کی تنخواہ مت لینا۔ یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا حرام کاری کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق: ص ۳۷۷)

امام اعظم نے اپنے خاص شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمایا وہ بلاشبہ نہ صرف امام اعظم کے ایک شفیق باپ، مہربان استاذ، عظیم دانشور اور ماہر نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بلکہ آپ کی عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ آپ کی ناصحانہ گفتگو خواص وعوام دونوں کے لیے یکساں مفید اور نفع بخش ہیں

وہ نصیحتیں جو امام صاحب نے ابو یوسف کے لیے تحریر فرمائی تھیں۔ ملاحظہ ہو۔

جب امام ابو یوسف کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسن مروت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں کے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب! سلطان وقت کی عزت کرنا اور ان کے مقام کا خیال رکھنا۔ ان کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور پر احتراز کرنا، اور ان کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا جیسا کہ انسان آگ کے ساتھ رکھتا ہے۔ جب تک تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے دربار میں حاضر نہ ہونا تا کہ تمہارا اعزاز و وقار برقرار رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے اہل علم حضرات موجود ہوں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیوں کہ جب ان کا علمی رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ مگر یہ جذبہ تمہارے لیے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحب علم ہو تو شاید تم انہیں کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکم وقت کی نظروں گر جاؤ۔

اگر سلطان وقت تمہیں کوئی عہدہ عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ اور جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا۔ بادشاہ وقت اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا۔ صرف بادشاہ وقت سے رابطہ رکھنا۔ اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمہاری عزت و وقار قائم رہے۔

ان ہرانیوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی لیکن اظہار حق کے موقع پر بغیر کسی کے دباؤ کے پوری آزادی سے کام کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شریعت میں بدعت کا ایجاد کرنے والا ہو تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا تا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پرواہ نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حشمت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اظہار حق میں خدا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا محافظ و حامی ہے۔ جو خود سلطان وقت سے اگر کوئی نازیبا حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ میں عہدہ قضا کے اعتبار سے آپ کا مطیع ہوں۔ آپ کی غلطی پر مطلع کرنا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اس کے شر سے تم کو محفوظ رکھے۔

امور زندگی کی تربیت اور معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت کے بعد حلال ذرائع سے مال و دولت جمع کرنا۔ پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرنا۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے میں جدوجہد کرو گے تو تم حصول علم سے قاصر رہو گے۔ اور مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا۔ اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمہارے اہل و عیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی۔ اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔ اس لیے علم حاصل کرنا آغاز شباب میں جب کہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال جمع کرنے کا مشغلہ اختیار کرنا۔ تا کہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اس بغیر اہل و عیال کی ضروریات انسان کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے بہت کم میل جول رکھنا ورنہ ان کو گمان ہوگا کہ تم سے کچھ توقع رکھتے ہیں اور اس خیال میں وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ اور بازار میں جانا، دوکان پر بیٹھنا، راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھانا ان تمام باتوں سے نہایت احتراز کرنا۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کے جواب دینا اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھانا۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہ کرنا۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص و محبت سے پیش آنا کہ کوئی غیر دیکھنے والا یہ سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگوں اور ان سے جو آداب مناظرہ سے جاہل ہیں نہایت اجتناب کرنا۔ مناظرہ کرتے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لینا۔ علم سکھانے سے بھی کسی حال میں اعراض نہ کرنا۔ اگرچہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمہارا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت۔ کیوں کہ اگر تم نے علم سے اعراض کیا تو تمہاری معیشت تنگ ہو جائے گی۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اپنی اولاد بنا لیا ہے۔ تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا مت کرنا ورنہ تمہاری عزت و وقار ختم ہو جائے گا۔ دوسرے لوگوں سے زیادہ عبادت کرنا، ان سے کم تر عبادت اپنے لیے ناپسند کرنا۔ بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرنا۔ کیوں کہ عوام جب کسی

عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور وہ پھر دیکھیں کہ تمہاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمہارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے۔ اور سمجھیں گے کہ تمہارے علم نے تمہیں کوئی نفع نہیں پہونچایا۔ سوائے اسی نفع کے جو ان کو ان کی جہالت نے بخشا ہے، جس میں وہ مبتلا ہیں۔

لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر بکثرت کرنا تاکہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں، اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرلینا، جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر و استقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر نعمتیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرنا اور اپنے لیے ہر ماہ کے چند ایام روزے کے مقرر کرلینا تاکہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمہاری پیروی کریں۔ زیادہ ہنسنے سے اجتناب کرنا کیوں کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ چلنے میں سکون واطمینان اختیار کرنا۔ اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بننا۔ جو تمہیں پیچھے سے آواز دے تو اس کی آواز کا جواب مت دینا کیوں کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔ سکون اور قلت عادت کو اپنی عادات میں شامل کرلینا تاکہ لوگوں کو تمہاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

تم موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اپنے ان اساتذہ کے لیے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، دعا و استغفار کیا کرنا۔ قرآن مجید کی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کرتے رہنا اور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق ہوں سنائے جائیں۔ خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سننا اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس مت بیٹھنا، سوائے اس کے کہ کسی کو دین کی طرف بلانا ہو۔ کھیل کود اور گالی گلوچ سے اجتناب کرنا۔ مؤذن جب اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرنا تاکہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش مت کرنا جب تک وہ خود تمہیں بلند جگہ نہ عطا کردیں تاکہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہونچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لیے پیش قدمی مت کرنا جب تک وہ خود تمہیں از راہ تعظیم مقدم نہ کریں۔ حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت مت داخل ہونا۔ سیرگاہوں میں مت جانا۔ ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلس وعظ میں حاضری مت دینا جو تمہاری جاہ منزلت یا تمہاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس

قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہل محلّہ اور اپنے عوام کو جن پر تمہیں اعتماد ہے متوجہ کرنا۔ نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالہ کردینا۔ اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالہ کردینا۔

آخری وصیت یہ ہے کہ سلطان وقت کے قرب و جوار میں رہائش مت اختیار کرنا۔ اگر اپنے پڑوس میں کوئی بڑی بات دیکھنا تو پوشیدہ رکھنا کہ یہ بھی امانت داری ہے۔ لوگوں کے راز ظاہر مت کرنا۔ جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرے تو اس کو علم کے مطابق صحیح مشورہ دینا کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے۔ میری اس وصیت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیت تمہیں انشاء اللہ دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش مت کرنا۔ ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال

بنو امیہ کے ظالمانہ دور کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں نے راحت کی سانس لی مگر ان کا یہ اطمینان و راحت بڑا عارضی ثابت ہوا۔ ظلم و ستم کے اسٹیج پر صرف چہرے بدلے ظلم و ستم اپنی جگہ پر قائم رہا۔ بنو عباسیہ نے اپنی حکومت کی مضبوطی اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت اور اپنی حکومت کا خوف بٹھانے کے لیے وہ مظالم کیے جو تاریخ میں ظلم و ستم کا ایک سیاہ باب ہے۔ بنو عباسیہ کے دوسرے خلیفہ فردشت منصور جو ہارون رشید کا دادا تھا۔ وہ فرعون وقت اور انتہائی ظالم و جابر تھا۔ بالخصوص سادات کرام کا جانی دشمن تھا۔ اس کے مظالم سے تنگ آکر ہی حضرت محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم جو امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، یکے بعد دیگرے اس ظالم کے خلاف میدان میں آئے۔ اس وقت امام اعظم شہرت و عظمت کی بلندیوں پر پہونچ چکے تھے۔

مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی حمایت کی۔ بڑے بڑے علما، فقہا اور ائمہ کرام نے ان کا ساتھ دیا حتی کہ امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی۔ زبردست مالی مدد کی، عوام و خواص کو ان کی حمایت کے لیے آمادہ فرمایا مگر اللہ کی مشیت دونوں حضرات منصور کے مقابلے میں جام شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ظالم وجابر حکمراں منصور کو جب ان جنگوں سے فرصت ملی اور اس کو قدرے اطمینان نصیب ہوا تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جنہوں نے حضرت نفس زکیہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم کی مدد کی تھی۔ بالخصوص ان علمائے کرام وائمہ عظام کی طرف اس نے انتقام کا رخ کیا جن کا اثر ورسوخ عام مسلمانوں میں زیادہ تھا۔ اسی ضمن میں سیدنا امام مالک بن انس اس کے زیر عتاب ہوئے اور اس نے جس انداز کا ظلم وستم ان کے ساتھ کیا وہ بڑا روح فرسا ہے۔ امام مالک کے ساتھ بدترین سلوک کیا اس سے مسلمانوں کی نگاہوں میں وہ بہت ذلیل وخوار ہوا۔ پھر اپنی خفت مٹانے کے لئے حج کے بہانہ مدینہ طیبہ امام مالک کی بارگاہ میں اپنی ندامت وبرأت ظاہر کرنے پہونچا کہ یہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا وہ میرے گورنر مدینہ نے کیا ہے۔ میں بے قصور وبے خبر ہوں۔ حالانکہ امام مالک کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسی ظالم کی مرضی ومنصوبے سے ہوا تھا۔

چونکہ امام اعظم نے ان شہزادگان رسول ﷺ کی مدد بہت زیادہ کی تھی اور مسلمانوں کو منصور کے مقابلے میں ابھارا تھا۔ اس ظالم کے ظلم وستم کے خلاف ان کی جانی ومالی مدد مذہبی فریضہ قرار دیا تھا۔ اسی لئے منصور کی نگاہ میں ان کا جرم بہت سنگین تھا۔ مگر امام اعظم کی عظمت وجلالت عوام وخواص میں ان کی مضبوط پکڑ سے خوف زدہ تھا۔ امام مالک کے ساتھ مدینہ منورہ میں جو ظلم وستم کیا تھا اس کی صدائے باز گشت عالم اسلام میں تھی۔ اس لیے امام اعظم سے انتقام لینے کے لئے اس نے انتظار کی پالیسی اپنائی اور اسے کسی مناسب بہانے کی ضرورت تھی۔ اسے یہ حقیقت معلوم تھی کہ امام ابوحنیفہ حکومت کا کوئی منصب کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ بنوامیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد نے اپنے بے حد قابل ومعتمد علیہ گورنر عراق ابن ہبیرہ کا جب عراق کا گورنر بنایا تو اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اس نے بڑے بڑے علما وائمہ کرام کو حکومت کا منصب قہراً وجبراً ہی سہی لینے پر مجبور کیا۔ اس وقت کی بڑی بڑی محترم شخصیتوں نے اس کے خوف کے دباؤ میں حکومت کا منصب قبول کرلیا۔ اس نے امام اعظم کو بلوایا اور آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے سختی سے انکار کردیا۔ مگر وہ بضد رہا۔ اس کا جوں جوں اصرار بڑھتا رہا آپ کا انکار بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے قسم کھالیا کہ ابوحنیفہ آپ کو قاضی القضاہ کا عہدہ قبول کرنا ہی پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں آپ نے بھی قسم کھالیا کہ میں حکومت کا یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ گورنر کو اپنی قسم کے مقابلہ میں امام اعظم کا قسم کھانا اچنبھا لگا اور

اور اس کو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ تم ہماری قسم کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ میں اس وقت تک تمہیں کوڑوں پٹواتا رہوں گا جب تک تم اس کو قبول نہیں کرلوگے۔ آپ نے بڑی ہمت واستقامت کے ساتھ فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلے میں یہ عذاب مجھے قبول ہے۔

چنانچہ اسی وقت آپ کے سر پر بیس کوڑے مارے گیے۔ آپ نے ابن ہبیرہ سے خوف زدہ ہوئے بغیر بڑی شان سے فرمایا ابن ہبیرہ تم یاد رکھو تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے لئے کھڑا ہونا ہوگا اور تمہارا کھڑا ہونا ہمارے اس کھڑے ہونے سے بہت زیادہ ذلت کا کھڑا ہونا ہوگا۔ اس وقت اللہ تم سے اس ظلم کا جواب طلب کرے گا۔ یہ سن کر ابن ہبیرہ نے جلاد کو رک جانے کا حکم دیا اور فوراً جیل میں بھیج دیا۔ رات کو اس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو ناراضگی کے عالم میں یہ فرماتے ہوئے سنا ''اللہ سے نہیں ڈرتا، میری امت کے ایک شخص پر بغیر جرم کے کوڑے مارتا ہے اور اسے دھمکیاں دیتا ہے''

چنانچہ ابن ہبیرہ نے حضور ﷺ کے خوف سے صبح ہی آپ کو آزاد کردیا۔ اس طرح ایک ظالم حکمراں کے خلاف آپ کی قسم پوری ہوئی۔ اس کے بعد آپ بڑی خاموشی سے حجاز مقدس چلے گئے اور جب تک بنوامیہ کی حکومت ختم نہیں ہوئی آپ کوفہ لوٹ کر نہیں آئے۔

چونکہ منصور عباسی حضرت امام کے اس واقعہ سے واقف تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کو بغداد بلوایا اور آپ کو شہید کرنے کے لئے وہی بہانہ بنایا۔

منصور نے آپ کو عہدہ قضا پیش کیا آپ نے انکار کردیا۔ اس آپ کو پہلے سمجھایا پھر لالچ دیا پھر دھمکیاں دیں مگر کسی چیز کا اثر آپ نے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ اس جرم پر کہ امام اعظم نے عہدہ قضا قبول نہیں کیا آپ کو قید کردیا۔ اور ہر روز قید خانہ سے نکال کر دس کوڑے مرواتا تھا۔ چنانچہ دس دن تک یہ ظلم وستم آپ نے برداشت کیا بالآخر اپنے رب کی بارگاہ میں بہت روئے اور دعا کی دعا قبول ہوئی۔

ایک دن بڑی خاموشی سے ظالم منصور نے زہر ملا کر شہید کردیا وہ بھی اپنے سامنے آپ کو لٹا کر زبردستی زہر کا پیالہ منہ میں ڈلوایا۔ جب موت کا احساس ہوا تو آپ سجدے میں چلے گیے اور حالت سجدہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی۔ نوے سال کی عمر میں دو شعبان المعظم ۱۵۰ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز وتدفین:۔ آپ کے وصال کی خبر آناً فاناً پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جس نے جہاں سنا وہیں

سے بھاگا ہوا چلا آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کا سیلاب ہر طرف سے امڈ آیا۔ چھ بار آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ آخری بار نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت حماد نے پڑھائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو خیزان کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ وہ غصب کی جگہ نہیں تھی۔ حضرت حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے آپ کو غسل دیا اور جب غسل دے کر فارغ ہوئے تو روتے ہوئے فرمایا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے تیس برس سے آپ نے افطار نہیں کیا اور چالیس سال سے رات کو کروٹ نہ لی۔ ہم میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ عبادت گزار، سب سے زیادہ بھلائی کی خصلتوں کو جمع کرنے والے تھے۔ اور جب دفن ہوئے تو بھلائی سنت کے ساتھ اور اپنے بعد کے آنے والوں کو آپ نے مشکل میں ڈال دیا''۔

آپ کی تدفین کے وقت بڑے بڑے علما، فقہا ومحدثین جمع تھے۔ اور سبھی غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک آپ کے شاگرد وصال کی خبر سن کر بغداد آئے اور مزار امام پر حاضری دی۔ آپ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے امام ابوحنیفہ تم پر اللہ رحمت برسائے۔ ابراہیم نخعی گیے تو اپنی جگہ اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد بن سلیمان دنیا سے رخصت ہوئے تو تمہیں اپنی جگہ دے کر گیے اور جب تم دنیا سے گئے تو کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔ یعنی پورے عالم اسلام میں کوئی اس مرتبہ کا نہیں تھا جو امام اعظم کی جگہ سنبھال سکتا۔

مزار مقدس مرجع خلائق

سلجوقی شہنشاہ سلطان الپ ارسلان نے ۴۵۹ھ میں آپ کے مزار پاک پر ایک عالیشان گنبد بنوایا روز اول ہی سے آپ مزار مبارک عوام وخواص کا مرکز ومرجع بنا ہوا ہے۔ حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ ان کی مزار کی زیارت کو جاتا ہوں اور جب بھی مجھ پر کوئی مشکل گھڑی آتی ہے یا کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے قریب دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں۔ تو اللہ ہماری عرضی کو قبول فرماتا ہے۔ اور امام اعظم کے طفیل ہماری حاجت پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اِعْلَمْ اَنَّهُ لَمْ يَزَلِ الْعُلَمَاءُ وَذُوالْحَاجَاتِ يَزُوْرُوْنَ قَبْرَهُ وَيَتَوَسَّلُوْنَ عِنْدَهُ فِيْ قَضَاءِ حَوائِجِهِمْ

وَيَرَوْنَ نَجْحَ ذٰلِكَ مِنْهُمُ الْاِمَامُ الشَّافِعِيُ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْتَهٰى''

جان لے کہ علماء اور اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضائے حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے۔ اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں۔ ان علمائے کرام میں سے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا سرفہرست نام آتا ہے۔ (الخیرات الحسان: ص ۶۹)

سلطان الپ ارسلان نے آپ کے مزار مقدس کے نزدیک ایک عالیشان مدرسہ بنوایا تھا۔ یہ بغداد کا اپنی نوعیت کا پہلا مدرسہ تھا۔ جو مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ بغداد کا مشہور مدرسہ نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ سلطان نے مدرسہ کے افتتاح کے وقت بغداد کے تمام علماء وشرفاء کو دعوت دی۔ اس کے قریب ایک شاندار مسافر خانہ بھی بنوایا جس میں قیام وطعام کی سہولت تھی۔ (نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۲ تا ۱۶۴)

مذہب حنفی کی مقبولیت واشاعت

مذہب حنفی کوفہ میں پیدا ہوا اور بغداد میں پروان چڑھا اور جب اس کی اشاعت عام ہوئی تو وہ بغداد سے نکل کر مغرب (یعنی اندلس) کو چھوڑ کر تمام اسلامی ممالک کے شہروں میں پہونچ گیا۔ عراق، مصر، شام، روم کے تمام شہروں سے ہوتا ہوا ماوراء النہر تک وسیع ہوگیا۔ پھر عرب ممالک سے نکل کر سرزمین ہندوسندھ اور چین تک پھیل گیا۔ جہاں کوئی مذہب اس کا راستہ نہ روک سکا۔ ان ممالک کے دور دراز علاقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ زندہ اور پائندہ ہے۔ اور وہاں کے مسلمان اپنے عبادات سے لے کر معاملات تک میں فقہ حنفی کے اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ تقریباً پوری اسلامی دنیا کے دوتہائی حصے سے زیادہ پر پورے آب وتاب جاودانہ کے ساتھ مذہب حنفی کا قبضہ واقتدار ہے۔ اندلس (موجودہ اسپین) کے سوا تقریباً پوری اسلامی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں حضرت امام اعظم کے علم وفضل کا فیضان ان کے تلامذہ در تلامذہ کی شکل میں نہ پہونچا ہو۔ اور ان کے اوپر علم وفن کا سحاب نہ برسا ہو۔ اور اس کے زبردست اثرات نہ مرتب ہوئے ہوں۔ مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ، بصرہ، یمن، یمامہ، بحرین، رملہ، رہوار، کرمان، شام، اصفہان، دمشق، جرجان، طبرستان، سمرقند، بخارا، وغیرہ۔ الغرض آپ کے علمی فیضان کی سرحد ہی نہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ مملکت سے زیادہ لوگوں کے دلوں پورے عزت و

احترام کے ساتھ آپ حکمراں ہیں۔

آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم مطاع، سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے محدث، سب سے بڑے مجتہد، سب سے بڑے عابد وزاہد، سب سے بڑے متقی ہی نہیں، بلکہ صاحب ورع تھے۔ علم اہل علم کی جو پرورش آپ نے کی اس کی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کوئی دوسری مثال نہیں۔

آپ اپنے استاذ حضرت حماد بن سلیمان کی طرح عراق کے سب بڑے فقیہ ورئیس تھے۔ آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے تاجر اور سب سے بڑے امین بھی تھے۔ انتقال کے بعد پانچ کروڑ کی امانتیں ان کے گھر سے نکلیں۔ اپنی دولت کا بڑا حصہ دین وعلم دین علما مشائخ وبزرگان دین پر خرچ کیا۔ آپ کی حیات میں علماء ومشائخ کا گھران عطیے اور تحفوں سے بھرا رہتا تھا۔ غریب مگر ذہین طلبہ کی کفالت کی اوران کے گھر والوں کو بھی سنبھالے رکھا۔ حضرت قاضی ابو یوسف کی مثال سامنے ہے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے گھر سے کسی سائل اور ضرورت منداور قرض مانگنے والوں کا کبھی واپس نہیں کیا۔ قرآن کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جس وقت آپ کے فرزند حماد نے بسم اللہ خوانی کی تو آپ نے بچے کے استاذ کو پانچ ہزار درہم نذر کیے۔ اور بچے نے جس دن سورہ فاتحہ ختم کیا اس دن پھر استاذ کو پانچ ہزار درہم پیش کیے وہ بھی ندامت ومعذرت کے ساتھ کہ "وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ عِنْدِیْ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ لَدَفَعْتُ تَعْظِیْماً لِلْقُرْآنِ" خدا کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی قرآن کے احترام میں پیش کر دیتا۔ اس امیری اور سلطانی میں ان کے زہد کا عالم یہ تھا کہ ان کے بعد انتقال ان کے ذاتی اثاثے کے بارے میں دیکھنے والوں کی زبان یہ ہے "بَعْدَہٗ لَایُوْجَدُ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا مَصْحَفُ الْمُقَدَّسُ" ان کے گھر میں مصحف مقدس کے سوا کچھ بھی نہیں پایا گیا۔

دنیا میں کوئی اتنا بڑا تاجر نہیں ملے گا جس نے اپنی زبردست آمدنی کا تقریباً صدفی صد دین وعلم دین، علماء ومشائخ، حاجت مندوں، غریب طلبہ اور علم دین کے فروغ واشاعت میں خرچ کیا ہو۔ اس خصوص میں امام اعظم ابوحنیفہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اسلامی حکومت کی باگ وڈور جن ہاتھوں میں رہی ہر دور میں ان کی بھاری تعداد حنفی ہی کی تھی۔ اور ان حکومتوں کا مذہب بھی حنیف تھا۔

عباسی خلافت کے عروج زوال دونوں میں عوام کا مذہب حنفی تھا۔ عباسی خاندان کے بعد زوال جن

خاندانوں کو عروج حاصل ہوا وہ تقریباً سب کے سب حنفی اوران کی حکومتوں کا مذہب حنیف تھا۔

سلاطین آل سلجوقی، سلاطین آل بویہ، سلاطین آل عثمان، چرّ امان مصر حضرت سلطان نور الدین زنگی شہید رحمۃ اللہ علیہ، ملک المعظم عیسیٰ بن الملک العادل (سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھتیجہ) سلطان محمود غزنوی سلاطین ہند بالخصوص آل تیمور ظہیر الدین محمد بابر سے لے کر آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک (سوائے ایک کے کہ وہ شیعہ ہوگیا تھا۔) سب کے سب حنفی المسلک تھے۔ بالخصوص شہنشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب علیہ الرحمہ تو سنیت وحنفیت کے نشان نصرت تھے۔ فقہ حنفی کے ایک زبردست عالم، جن کا دربار علما، فقہا، محدثین، شعراء اور دیگر اصحاب فضل وکمال سے بھرا رہتا تھا۔ جنھوں نے ایک بہت بڑا اور عالیشان مدرسہ قائم کیا تھا۔ فقہ حنفی پر مشتمل ان کے نام سے ایک عظیم وجلیل "کتاب التفرید" منسوب ہے۔ جس میں پچاس ہزار سے زائد مسائل کا ذکر ہے۔ وہ خود حنفی اوران کی حکومت کا مذہب بھی حنفی تھا۔

اشرافان امت، افتخاران امت، برادران امت، اخیاران امت، فقیہان امت، اساطین امت اور مقبولان امت کی طویل ترین فہرست پر نظر ڈالی جائے، تو ان کی بھاری اکثریت امام اعظم ابوحنیفہ کی اتباع واطاعت میں دل ونگاہ کے ساتھ خمیدہ سر ہے۔

ائمة هٰذه الدنيا جميعا بلاريب عيال ابی حنيفة

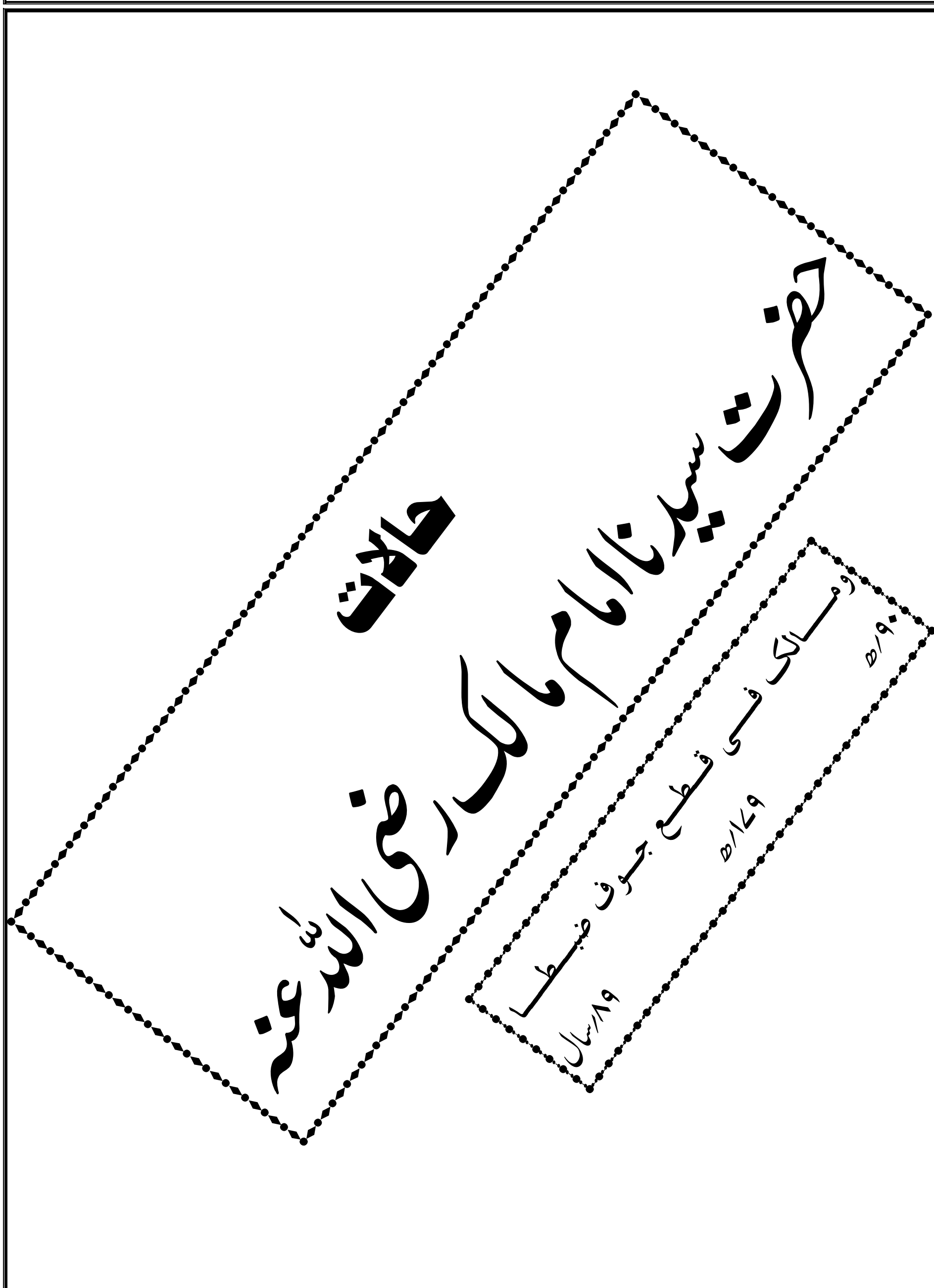
اس دنیا کے تمام ائمہ کرام بلاشک وشبہ ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

یہ خواجہ خواجگاں عطائے رسول نائب النبی فی الہند، اقطابان جہاں کے آقا، قصر عارفاں کے امام سلطان الہند علی الاطلاق، پیشوائے قدسیان بالاتفاق، کشور ولایت کے تاجدار حضور سیدنا ومرشدنا ومولانا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ، قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ الشیوخ العالم حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ سید نظام الدین محمد بدایونی ثم دہلوی، حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابری کلیری، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت امیر خسرو، حضرت خواجہ سید محمد گیسودراز بندہ نواز، حضرت خواجہ برہان الدین غریب، آئینہ ہند خواجہ اخی سراج، حضرت علاء الحق پنڈوی، حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، مشیر حق شاہ شہیداں فاتح ہندوستاں حضرت سید سالار مسعود غازی بہرائچ شریف، مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ

منیری، حضرت علامہ خواجہ فخر الدین دہلوی، سرکار داتا گنج بخش لاہوری، امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، حضرت علامہ خیرالدین، (والد ماجد ابوالکلام آزاد) حضرت علامہ فضل رسول بدایونی، بحرالعلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی، حضرت علامہ نظام الدین سہالوی، صاحب درس نظامی حضرت علامہ مفتی نقی علی خان بریلوی، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی المعروف اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، سیدالمفسرین حضرت علامہ سید مفتی نعیم الدین مرادآبادی۔

حضرت شعیب الاولیاء شاہ محمد یار علی، الغرض خاصان امت اور مقبولان بارگاہ ذوالجلال کی ایک طویل ترین فہرست ہے۔ کہ اگر ان کے مقدس ناموں کو صرف لکھا جائے، تو ایک مستقل مبسوط کتاب تیار ہوسکتی ہے، مبلغ اسلام حضرت علامہ مفتی حبیب الرحمٰن قادری عباسی، ملک العلماء حضرت علامہ مفتی ظفرالدین بہاری، محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی، حافظ ملت حضرت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، شارح بخاری حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی، حافظ بخاری حضرت علامہ سید عبدالصمد چشتی وغیرہ، یہ اصحاب فضل وکمال اور اساطین امت سب کے سب قصر حنفیت ہی کے تو ستون ہیں۔

تو ماہ منیری ہمہ اختر اند   تو سلطان ملکی ہمہ لشکر اند



فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام اور حسب ونسب

مالک نام ہے، کنیت ابوعبداللہ ہے اور لقب امام دارالہجرۃ ہے۔ والد کا اسم گرامی انس ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حضرت مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان یا عثمان بن جثیل یا غثیل بن عمرو بن حارث الاصحی۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا نسب یعرب بن یشجب بن قحطان پر منتہی ہوتا ہے۔ ذواصبح الحارث بن مالک بن زید بن غوث بن سعد بن عوف بن عدی بن مالک بن زید بن سہل بن عمرو بن عیش بن معاویہ بن جشم بن یعرب بن قحطان، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام عالیہ بن شریک بن عبدالرحمٰن الازدیہ ہے۔

آپ کے آباء واجداد کا اصلی وطن یمن تھا۔ سب سے پہلے امام مالک کے دادا ابوعامر مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ چونکہ آپ کے پردادا یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ اس خاندان کے شیخ تھے۔ اس لیے حارث کا لقب ذواصبح تھا۔ اسی وجہ سے امام مالک کو اصحی کہتے ہیں۔ اس خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابوعامر مشرف باسلام ہوئے۔ قاضی ابوبکر بن العلاقسیری نے فرمایا کہ یہ جلیل القدر صحابی تھے۔ بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں شریک تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی "تنویر" میں ان کو صحابی لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے "تجرید الصحابۃ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "لم ارا حدا ذکرہ فی الصحابۃ و کان فی زمن النبی ﷺ" میں نے کسی کو ان کا تذکرہ صحابہ میں کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ حضور ﷺ کے زمانہ ظاہر میں تھے۔ اور حافظ نے بھی "اصابہ" کی قسم ثالث میں ذکر کیا ہے۔ اور ذہبی ہی کے قول پر اکتفا کیا ہے۔ اور اصابہ کی قسم ثالث میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ پایا ہو۔ لیکن کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہو۔

امام مالک کے دادا مالک بن ابوعامر باتفاق تابعی ہیں۔ بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جن چار شخصوں نے رات کو خفیہ طور سے اٹھا کر جنت البقیع میں دفن کیا ان میں سے ایک حضرت امام مالک کے دادا مالک بن ابوعامر بھی تھے۔ آپ کا

انتقال صحیح قول کے مطابق ۷۴ھ میں ہوا۔ کما قال الزرقانی۔ امام مالک کے والد حضرت انس کی کوئی روایت صحاح ستہ اور کتب متداولہ میں نہیں ہے۔ لیکن حافظ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد مالک بن ابوعامر سے روایت کی ہے۔

ولادت باسعادت: حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مدینے میں ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں بڑا اختلاف ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا کہ امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں تحریر فرمایا ہے کہ یحییٰ بن بکیر جو امام مالک کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے "ولدت سنۃ ثلاث و تسعین" میں ۹۳ھ میں پیدا ہوا۔ اور اکثر علما کرام کی یہی رائے ہے۔ لیکن بعض حضرات ۹۰ھ، بعض نے ۹۵ھ ذکر کیا ہے۔ اور امام یافعی نے "طبقات الفقہا" میں ۹۴ھ تحریر کیا ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شکم مادر میں معمول سے زیادہ رہے۔ مؤرخین کے نزدیک مشہور تو یہ ہے کہ آپ تین سال تک رہے۔ لیکن علامہ واقدی اور عطاف بن خالد سے منقول ہے کہ دو برس رہے۔ (بستان الحدیث اردو: ص ۱۲،)

امام مالک رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارکہ

حضرت مطرف بن عبداللہ پیاری لکھتے ہیں کہ آپ دراز قد، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم اور خوب صورت تھے۔ ناک بلند اور سر کے اگلے حصہ میں بال کم تھے۔ ایسے شخص کو عربی زبان میں اصلع کہتے ہیں۔ داڑھی گنجان اور اس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہونچتی تھی اور مونچھ کے ان بالوں کو جو لبوں کے کنارے پر ہوتے تھے، ان کو کتراتے تھے۔ منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مونچھ کا منڈوانا مثلہ ہوتا ہے۔ اور مونچھیں بھی خوب تھیں۔ آپ اس معاملے میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید فرماتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے "اِنَّهٗ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ کَانَ یَفْتِلُ اِذَاهَمَّهٗ اَمْرٌ"، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی امر عظیم پیش آتا تھا تو اپنی مونچھ پر پیچ دیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مونچھوں کے دو طرف بال دراز تھے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نہایت خوش پوشاک تھے۔ عدن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ جو نہایت

نفیس اور بیش قیمت ہوتے تھے۔اور لباس اکثر سفید ہوتے تھے۔اکثر اوقات عطر استعمال کیا کرتے تھے۔(بستان المحدثین:ص۱۲،۱۳)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا۔ایک مرتبہ امام اعظم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ مدینہ منورہ کے نوعمر لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟ تو ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی بلندی حاصل کرے گا تو وہ مالک بن انس ہے۔ نیز فرمایا کہ میں نے مدینہ میں علم بکھیرا ہوا دیکھا اگر کوئی شخص اس کو جمع کرے گا تو وہ یہی لڑکا یعنی مالک بن انس ہے۔ابن عامر فرماتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابوحنیفہ کی یہ بات امام مالک کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ نے سچ کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ سمجھ بوجھ کے آدمی تھے۔(بستان المحدثین اردو:ص۱۲،۱۳)

تعلیم وتربیت

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان اور ماحول میں آنکھیں کھولی جہاں اثر وحدیث کا بول بالا تھا۔پہلے آپ نے اسلامی گھرانے کے دستور و رواج کے مطابق حفظ قرآن مجید فرمایا۔اور قرآن حکیم کی قرأت وسند مدینہ منورہ کے مشہور ومعروف امام القراء حضرت نافع بن عبدالرحمٰن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کیا۔ پھر بعد میں حفظ حدیث کی طرف مائل ہوئے ۔ مدینہ میں علم حدیث سیکھنے کا جو ماحول قائم تھا اس سے متاثر ہو کر آپ نے اپنی ماں کی خدمت عالیہ میں اس کا اظہار کیا کہ میں بھی علم حاصل کرنے جاؤں گا۔ماں نے کہا کہ آؤ میں تم کو علم دین کا لباس پہنا دوں۔چنانچہ انہوں نے مجھے (ثیاب مستمرہ) اوٹنگے کپڑے پہنائے اور سر پر سیاہ رنگ کی لمبی ٹوپی رکھ کر اوپر سے عمامہ باندھ کر اجازت مرحمت فرماتے ہوئے کہتی ہیں "اِذْھَبْ اِلٰی رَبِیْعَةَ فَتَعَلَّمْ مِنْ اَدَبِهٖ قَبْلَ عِلْمِهٖ" ربیعہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان سے ادب سیکھو۔اور ایک روایت میں یہ ہے کہ والدہ نے کہا "اِذْھَبِ الْاٰنَ فَاکْتُبْ" اب جاؤ حدیث لکھو۔حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے مسلّم فقہاء میں سے ہیں۔(ترتیب المدارک:ج۱،ص۱۹۹)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث سیکھنے کا ذوق وشوق اس قدر تھا کہ ربیعہ کے حلقۂ درس سے جو کچھ سنتے یا سیکھتے اس کو درختوں کے سامنے بیٹھ کر حفظ کرتے۔ایک بار ایسا کرتے ہوئے آپ کی بہن

نے دیکھ لیا تو اس کا تذکرہ اپنے والد گرامی سے کیا۔انہوں نے جواباً کہا "یَا بُنَیَّةُ اِنَّهٗ یَحْفَظُ اَحَادِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" بیٹی وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں حفظ کرتا ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو علم طلب کرنے کی خواہش وحرص بہت زیادہ تھی۔حالانکہ زمانہ طالب علمی میں مفلسی کا یہ عالم تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو بیچ کر کتابیں وغیرہ خریدتے تھے۔مگر اس کے بعد آپ پر دولت کا دروازہ کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہو گئیں۔(اولیاء رجال الحدیث:ص۱۷۹)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور مسند درس وافتاء

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے ذوق وشوق،محنت وذہانت اور علم وفراست کی بنا پر سترہ سال کی عمر میں ہی تمام علوم وفنون میں درجہ کمال حاصل کر لیا تھا۔اور اسی عمر میں آپ نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے اذن پر مسند درس وافتاء سنبھالی۔خود ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا اَفْتَیْتُ حَتّٰی شَهِدَ لِیْ سَبْعُوْنَ اِنِّیْ اَهْلٌ لِذٰلِکَ" جب تک ۷۰/ستر علما نے میرے بارے میں شہادت نہیں دی کہ میں افتاء کا اہل ہوں میں نے فتویٰ نہیں دیا۔(تذکرۃ الحفاظ:ج۱،ص۲۰۸)

اس وقت ان کے کئی شیوخ زندہ تھے اور ان کی حیات میں امام مالک فتوی دیا کرتے تھے۔ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا اس وقت امام مالک کا حلقہ درس وافتاء قائم تھا۔ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی میں ہی ان کے حلقۂ درس سے بڑا تھا۔شعبہ کا بھی یہی قول ہے۔(تقدمۃ الجرح والتعدیل:ص۲۶)

امام مالک کی مجلس درس وافتاء دو جگہ منعقد ہوتی تھی۔ایک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں (درس وافتاء کے لیے ایک مجلس کا انتخاب فرمایا) جس میں دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔اور دوسری مجلس وادی عقیق کے مقام جرف میں جہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔اور وہاں پر درس دینا اس لئے شروع کیا تھا کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے گھر پر ہی درس دینے لگے تھے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا علمی مقام نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔وہ علم وتفقہ کے وہ ماہتاب

ہیں جس کی روشنی کے سامنے آسمان علم ومعرفت کے سیاروں کی چمک دمک گم معلوم ہوتی نظر آتی ہے۔

ان کے علمی مقام کا اندازہ ان نبوی بشارتوں سے لگایا جاسکتا ہے جن کا مصداق علماء نے آپ کی ذات کو ٹھہرایا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں "یُوْشَکُ اَنْ یَضْرِبَ النَّاسُ اَکْبَادَ الْاِبِلِ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَایَجِدُوْنَ عَالِماً اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ" عنقریب وہ زمانہ آئے کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوکر علم طلب کرنے کے لیے سفر کریں گے۔ لیکن مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے۔
(التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد: ص ۱۴)

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس عالم مدینہ سے مراد حضرت امام مالک بن انس ہیں۔

ابوعبداللہ فرماتے ہیں:

"رَاَیْتُ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِداً وَالنَّاسُ حَوْلَهٗ وَمَالِکٌ قَائِمٌ بَیْنَ یَدَیْهِ وَبَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِسْکٌ فَهُوَ یَأخُذُ مِنْهُ قَبْضَةً قَبْضَةً وَیَدْفَعُهَا اِلٰی مَالِکٍ وَمَالِکٌ یَذُرُّهَا عَلَی النَّاسِ قَالَ مُطْرِفٌ فَاَوَّلْتُ ذٰلِکَ اَلْعِلْمَ وَاتِّبَاعَ السُّنَّةِ" (اکمال فی اسماء الرجال: ص ۶۲۴)

میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے اردگرد بہت سارے لوگ موجود ہیں۔ امام مالک آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے مٹھیاں بھر بھر کے امام مالک کو عطا فرمارہے ہیں اور امام مالک لوگوں پر تقسیم کررہے ہیں۔ مطرف نے کہا میں نے اس خواب کی تعبیر علم اور اتباع سنت سے لی۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

قَالَتْ لِیْ عَمَّتِیْ وَنَحْنُ بِمَکَّةَ رَاَیْتُ فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ عَجَباً فَقُلْتُ لَهَا مَاهُوْ قَالَتْ رَاَیْتُ کَاَنَّ قَائِلاً یَقُوْلُ مَاتَ اللَّیْلَةَ اَعْلَمُ اَهْلِ الْاَرْضِ قَالَ الشَّافِعِیُّ فَحَسِبْنَا ذٰلِکَ فَاِذَاهُوَیَوْمَ مَاتَ مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ" (حلیۃ الاولیاء: ص ۳۳۰)

ہم مکہ میں تھے کہ میری پھوپھی نے کہا کہ میں نے آج رات ایک تعجب خیز واقعہ خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کوئی کہہ رہا ہے کہ آج کی رات دنیا کا سب سے بڑا عالم فوت ہوگیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے اس کا حساب وتخمینہ لگایا تو وہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے وصال کا دن تھا۔

محمد بن رمح کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، بعض مسائل میں جہاں امام مالک اور لیث کا اختلاف ہو تو وہاں کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا "مَالِکٌ، مَالِکٌ وَرِثَةُ جَدِّیْ اِبْرَاهِیْمَ" میرے دادا ابراہیم کے علم کا ورثہ مالک بن انس کو ملا ہے۔ یعنی جہاں ان دونوں کا اختلاف ہو تو امام مالک کے قول کو ترجیح دو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرتبہ حدیث وفقہ کے متعلق فرماتے ہیں: "اِذَاذُکِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِکٌ اَلنَّجْمُ، وَمَااَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ مِنْ مَالِکٍ" جب علماء کا تذکرہ کیا جاتا تو امام مالک ستارے کے مانند بلند ہوتے۔ مجھ پر امام مالک سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ یعنی جب علما کا تذکرہ ہوتا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست آتا۔

امام شافعی فرماتے ہیں: "لَوْلَامَالِکٌ وَابْنُ عُیَیْنَةَ لَذَهَبَ الْعِلْمُ مِنَ الْحِجَازِ" اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو علم حجاز سے رخصت ہوجاتا۔ (فتح الباری: ج ۱ ص ۷)

حضرت محمد بن ابی السری عسقلانی نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کچھ ارشاد فرمائیں تاکہ میں حضور کی جانب سے اس ارشاد کی تبلیغ کروں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عسقلانی! میں نے مالک ابن انس کو ایک خزانہ دے دیا ہے جسے وہ تم سب میں تقسیم کررہا ہے اور وہ خزانہ مؤطا ہے۔ (روض الفائق: ص ۱۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام مالک حضور ﷺ کے منظور نظر اور آپ کی کتاب موطا ایک ایسی مستند اور صحیح جامع ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا خزانہ ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ پانچ باتیں جیسی امام مالک کے حق میں جمع ہوگئیں ہیں۔ میرے علم کے مطابق کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں: (۱) درازعمر اور عالی سند (۲) عمدہ فہم وادراک اور وسیع علم (۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کرام کا اتفاق (۴) آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دین داری پر محدثین عظام کا اتفاق (۵) فقہ وفتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے شیوخ واساتذہ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے جن سے علم دین حاصل کیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں اجلہ

تابعین کرام اور مشہور فقہا ومحدثین بھی ہیں۔ جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ علم قرآن و حدیث وفقہ میں ممتاز تھے۔ آپ نے جن شیوخ سے موطا میں روایت کی ہے ان کی تعداد ننانوے ہے۔ ان میں سے صرف چھ حضرات غیر مدنی ہیں باقی سب اساتذہ مدنی ہیں۔ اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں بکھرا ہوا تھا وہ اب ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا۔ اسی لئے آپ کا لقب ''امام دار الہجرۃ'' ہوا۔ یہ صرف موطا کے شیوخ کی تعداد ہے۔ ورنہ علامہ زرقانی اور دوقی نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے اساتذہ نوسو سے زیادہ ہیں۔ جن سے علم دین حاصل کیا ہے۔ امام نووی ''تہذیب الاسماء'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک کے اساتذہ کی تعداد نوسو ہے۔ جن تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ لیکن حضرت نافع جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی خادم وشاگرد تھے۔ اور حدیث ودرایت کے شیخ تھے۔ ان سے زیادہ استفادہ کیا جب تک وہ زندہ رہے۔ تقریباً بارہ سال تک امام مالک ان کے درس میں شریک رہے۔ اور موطا کی بکثرت روایتیں انہی سے ہیں اور مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کو سلسلۃ الذہب کہا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام مالک سے کہا کہ ہم نے آپ کی کتاب موطا میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر بہت کم پایا، فرمایا کہ وہ میرے شہر میں نہ تھے اور نہ میں ان کے اصحاب سے ملاقات کر سکا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات ان دونوں حضرات سے بھی کم ہیں۔

چوں کہ آپ کو مدینہ منورہ سے خصوصی محبت تھی اس لیے باہر نکلنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ وہ مدینہ طیبہ میں وفات کی تمنا میں وہیں اقامت پذیر رہے۔ اسی وجہ سے صرف ایک مرتبہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ شریف حاضر ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مذکورہ بالا حضرات کے شاگردوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بکثرت حج کرتے تو حضرت نافع کی روایت بھی امام صاحب کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ ابوحنیفہ عن نافع عن ابن عمر کی سلسلۃ الذہب سند امام ابوحنیفہ سے بھی موجود ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ان مشائخ اعلام اور مشہور ومعروف اساتذہ کرام میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر، حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہری، حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر، حضرت نعیم بن عبداللہ المجمر، حضرت زید بن اسلم، حضرت حمید الطویل، حضرت سعید مقبری، حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار، شریک بن عبداللہ ابونمیر، حضرت صالح بن کیسان، حضرت صفوان بن سلیم، حضرت ابوالزناد محمد بن منکدر، حضرت عبد بن دینار، حضرت ایوب سختیانی، حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ثور بن زید دیلی، حضرت ابراہیم بن ابی عیلہ مقدسی، حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حضرت ہشام بن عروہ، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، حضرت عائشہ بنت سعد بن وقاص وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (تہذیب التہذیب: ج ۱، ص ۵)

امام مالک رضی اللہ عنہ کے تلامذہ واصحاب

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی درسگاہ علم سے فیض یافتہ تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضرت حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ''حَدَّثَ عَنْهُ خَلْقٌ مِنَ الْاُمَّةِ'' حافظ علامہ ذہبی تحریر فرماتے ہیں ''حَدَّثَ عَنْهُ اُمَمٌ لَایَکَادُوْنَ یُحْصَوْنَ'' یعنی آپ سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہے جن کا شمار تقریباً ناممکن ہے۔ علامہ دارقطنی نے اس تعلق سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں امام مالک سے روایت کرنے والوں کی تعداد ہزار بتائی ہے۔ اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی کے ایک رسالہ میں نوسو ترانوے ۹۹۳ رواۃ مذکور ہیں۔ خود آپ کے بعض شیوخ نے آپ سے روایت کی ہے۔ مثلاً حضرت ایوب سختیانی، حضرت ربیعہ الرائی، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن ابی ذئب، ابوالاسود اور اعمش وغیرہ۔

اہل علم وفضل تلامذہ میں سے حضرت امام محمد بن حسن شیبانی، حضرت امام عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد اشعیہ، سفیان ثوری، یحییٰ القطان، ابن مہدی، ابو عاصم النبیل، عبدالرحمٰن اوزاعی، وغیرہ ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''ترتیب المدارک'' میں ان کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کئے ہیں۔ جن کی تعداد تیرہ سو سے زائد ہے۔

صاحب اکمال تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ امام شافعی جیسی ہستی کا شمار ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ علاوہ بریں محمد بن ابراہیم، ابن دینار، ابوہاشم اور عبدالعزیز بن

ابوحازم بھی ان کے شاگردوں میں ہیں۔ان کے علاوہ ان کے شاگردوں میں ابن معین بن عیسیٰ، یحیٰ بن یحیٰ، عبداللہ بن مسلمہ، قعنبی اور عبداللہ بن وہب جیسے حضرات بھی ہیں، جو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد، احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث کے استاذ ہیں۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اتنے حضرات نے روایت کیا ہے جن کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ان کے شاگرد جس ملک میں جا کر اقامت پذیر ہوئے وہ پورے ملک کے امام اور یگانۂ روزگار ثابت ہوئے۔(اکمال فی اسماء الرجال: ص ۶۲۴)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور علمائے کرام کا اعتراف

مختلف ادوار و اقوام میں آپ کی مدح وثنا کا چرچا رہا اور اس عظیم فقیہ کی سیر وسوانح کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ ثناخوان مختلف مکاتب فکر سے وابستہ تھے۔مگر آپ کی عظمت شان اور جلالت علم پر سب کا اتفاق تھا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراف فضل وکمال میں علماء کے بکثرت اقوال ہیں۔

اب ہم ان میں سے بطور نمونہ بعض بزرگان سلف کا مقولہ درج کررہے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

"سُفْیَانَ الثَّوْرِیُّ اِمَامٌ فِی الْحَدِیْثِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی السُّنَّةِ وَالْاَوْزَاعِیُّ اِمَامٌ فِی السُّنَّةِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی الْحَدِیْثِ وَمَالِکٌ اِمَامٌ فِیْهِمَا جَمِیْعاً" سفیان ثوری امام الحدیث ہیں امام الفقہ نہیں اور اوزاعی امام الفقہ ہیں امام الحدیث نہیں اور امام مالک بن انس دونوں فن کے امام ہیں۔(حلیۃ الاولیاء: ص ۳۳۲)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

"اِذَا جَاءَ الْحَدِیْثُ عَنْ مَالِکٍ فَاشْدُدْ یَدَیْکَ بِهٖ" جب تمہیں امام مالک سے کوئی روایت ملے تو اسے مضبوطی پکڑلو (قبول کرلو) (حلیۃ الاولیاء: ص ۳۲۲)

حضرت یحیٰ بن سعید کہا کہ حدیث کا سب سے زیادہ صحیح جانکار امام مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

(اکمال فی اسماء الرجال: ۶۲۴)

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔(تہذیب التہذیب: ج ۱ ص ۸)

ابن قطان اور ابن معین نے فرمایا کہ امام مالک امیر فی الحدیث ہیں۔ابن معین یہ بھی فرمایا کہ امام مالک مخلوق پر اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہیں۔اور ایسے امام ہیں کہ ان کے فضل وکمال پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔اور یہ بھی فرمایا "وکل من روی عنہ مالک فھو ثقۃ الا عبدالکریم" جس سے بھی امام مالک نے روایت کیا وہ تمام کے تمام ثقہ تھے سوائے عبدالکریم کے۔

مصعب زبیری کا قول ہے کہ امام مالک ثقہ، مامون، ثبت، عالم فقیہ، حجت اور صاحب ورع ہیں۔

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کی حدیث حفظ کرنا چاہتا ہے تو کس کی یاد کرے فرمایا امام مالک بن انس کی۔

امام بخاری سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ صحیح سند کون سی ہے؟ فرمایا مالک عن نافع عن ابن عمر۔امام نسائی فرماتے ہیں کہ تابعین کے بعد میرے نزدیک امام مالک سے زیادہ دانشمند، بزرگ، قابل وثوق اور ضعفا سے کم روایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ہم نہیں جانتے کہ موصوف نے بلوامیہ عبدالکریم کے علاوہ کسی متروک سے روایت کی ہو۔سفیان ثوری ایک مستقل مجتہد ہونے کے باوجود مناسک حج میں امام مالک کی پیروی کرتے تھے۔ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں فرماتے ہیں کہ امام مالک اس امت کے لیے رحمت تھے۔ابن ابی حازم نے ناقد حدیث آوردی سے پوچھا کہ خدائے کعبہ کی قسم: مالک سے بڑا کوئی تم نے دیکھا؟ جواب دیا کہ "خدایا" "نہیں"۔

امام محمد ابوزہری فرماتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی فقہ میں دو باتیں نمایاں ہیں "ایک یہ کہ امام مالک جہاں فقیہ اثر تھے وہیں فقیہ رائے بھی تھے۔جس طرح اپنی فقہ کے اندر اثر کا بکثرت استعمال کرتے وہیں رائے کو بھی خوب استعمال کرتے ہیں۔متقدمین ان کو فقہائے رائے شمار کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے جو فقہ مروی ہے اور اس کا جو طریقہ ہے وہ ان کے اس قول پر شاہد ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے یہاں رائے کے بہت سے وسائل تھے۔لیکن ان کا مرجع ایک ہی اصل تھا اور وہ تھا جلب نفع اور دفع حرج"

امام مالک رضی اللہ عنہ کا پیشہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس کے بارے میں مجھے کوئی ٹھوس روایت نہیں ملی۔ لیکن ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد گرامی کا پیشہ پتر سازی تھا۔ آپ بچپن ہی میں حصول علم حدیث کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے علم کے ساتھ یہ پیشہ بھی بطور روزی کمانے کے لیے اختیار کیا ہو۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بھائی نضر روئی کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ خود علم اور طلب حدیث میں مشغول تھے۔ حضرت امام مالک ان کے ساتھ اس کو بیچا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش تجارت رہا۔

آپ کے خلفاء وحکام سے بھی تعلقات تھے۔ ان کی طرف سے آنے والے ہدایا وتحائف کو قبول کرلیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ کے معاصر حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہ تو بنوعباس کے خلفاء اور نہ ہی اموی خلفا کے ہدایا قبول فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سے خلفا کے اموال قبول کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا"اَمَّا الْخُلَفَاءُ فَلَاشَکَّ یَعْنِی اَنَّهٗ لَابَاسَ بِهٖ، وَاَمَّا مِنْ دُوْنِهِمْ فَاِنَّ فِیْهِ شَیْئًا" رہی بات خلفاء کی تو اس میں کوئی شک نہیں یعنی ان سے لینے میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک ان کے علاوہ کی بات ہے تو اس میں باعث حرج۔ اس کی وجہ آپ کی نظر میں یہ رہی ہوگی کہ خلفا اپنی خواہش کی چیزوں کو اپنے لئے جمع کرلیا کرتے تھے اس میں سے نکال کر بھیجا کرتے تھے۔ جسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ہارون رشید آپ کے لئے تین ہزار دینار بطور وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا"لَوْ کَانَ اِمَامٌ عَدْلٌ فَانْصَفَ اَهْلُ الْمُرُوَّةِ لَمْ اَرَبِهٖ بَاسًا" اگر امام عادل ہوتا ہے تو صاحب مروت شخص کے ساتھ ضرور انصاف کرتے۔ لہٰذا میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

آپ کا حکما اور خلفا سے تعلق ہونے کے باوجود علم اور علما کو ان کی شان وشوکت پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ہارون رشید نے ایک بار آپ کے پاس اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا پیغام بھیجا تا کہ اپنی کتاب موطا ہمارے پاس لاکر مجھے حدیث کا درس دیں۔ تو آپ نے اس کے پاس جا کر حدیث کا درس دینے

سے برجستہ انکار فرمادیا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کو کہنا پڑا"وَاللّٰهِ لَانَسْمَعُهٗ اِلَّافِیْ بَیْتِکَ" بخدا ہم آپ کے گھر میں ہی اس کی سماعت کریں گے۔ اسی طرح کا واقعہ ہارون رشید کے بچوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے جس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ (مفتاح السعادۃ: ج۲، ص۸۶)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور تعظیم حدیث نبوی ﷺ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک امام مالک رضی اللہ عنہ سے زیادہ امانت دار کوئی نہیں۔ محدث کبیر حضرت علامہ ذہب بن خالد فرماتے ہیں کہ مشرق ومغرب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیث نبوی ﷺ کا امانت دار کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ آپ حدیث نبوی ﷺ کی تعظیم وتوقیر اس کا احترام کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جب حدیث نبوی ﷺ بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے وضو یا غسل کا اہتمام کرتے پھر عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور وقار وہیبت کے ساتھ مسند تدریس کو رونق بخشتے پھر حدیث نبوی ﷺ بیان کرنا شروع کرتے۔ لوگوں نے آپ سے اس قدر احتیاط واہتمام کرنے کی وجہ دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:

"اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَااُحَدِّثُ بِهٖ اِلَّاعَلٰی طَهَارَةٍ مُتَمَکِّنًا" میں حدیث رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو محبوب رکھتا ہوں اور باطہارت بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔

راستے میں کھڑے ہوکر یا جلد بازی میں حدیث رسول ﷺ بیان کرنے کو ناپسند کرتے اور ارشاد فرماتے"اُحِبُّ اَنْ اَتَفَهَّمَ مَااُحَدِّثُ بِهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" مجھے زیادہ پسند ہے کہ جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کروں تو سمجھ کر بیان کروں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوحازم حدیث نبوی ﷺ بیان فرمارہے تھے حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ ان کے پاس سے گزرے اور ان کی مجلس حدیث میں شریک نہیں ہوئے اور آگے نکل گئے۔ تو وجہ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور کھڑے ہوکر حدیث رسول کو سننا میں نے خلاف ادب سمجھا اس لیے میں آگے بڑھ گیا۔ (حلیۃ الاولیاء: ص۳۱۸)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص حضرت ابن حبیب سے منقول ہے کہ بیان حدیث کے

وقت ایک ہی نشست میں مجلس تدریس کو تمام فرماتے اور از راہ ادب زانو نہ تبدیل کرتے، اس سلسلے میں کمال احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی حدیث پاک بیان فرما رہے تھے کہ ایک بچھو نے نیش زنی شروع کردی اور دس یا گیارہ مرتبہ ڈنک مارا۔ آپ کا چہرۂ مبارک شدت تکلیف کے باعث زرد ہوتا گیا اور بے چینی بڑھتی گئی۔ اس کے باوجود آپ نے درس حدیث بند نہیں فرمایا بلکہ اسی طرح بیان حدیث نبوی ﷺ میں مشغول رہے۔ اور جب درس حدیث ختم ہوا اور سب لوگ چلے گئے تو میں نے عرض کیا حضور! آج آپ کو کیا ہوگیا تھا کہ آپ سخت بے چین نظر آرہے تھے۔ تو آپ نے بتایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میرا اظہار جرأت یا اپنی آزمائش پر صبر کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محض حدیث رسول ﷺ کی تعظیم وادب کی وجہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے دل میں حدیث رسول کا بڑا ادب واحترام تھا اور ہمیں بھی حضور ﷺ کی حدیث پاک کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کرنا چاہیے۔ (روض الفائق: ص ۱۴۹)

خلیفہ ہارون رشید اپنے دور حکومت میں روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کی ملاقات کے لیے تشریف لے گیے۔ جب ملاقات اور گفت وشنید کے بعد واپس جانے کا ارادہ فرمایا اور باہر نکلنا چاہا تو ہارون رشید نے عرض کیا ''یا امام المسلمین'' برائے کرم روزانہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تاکہ ہمارے بیٹے امین و مامون آپ سے حدیث سماعت کریں۔ حضرت امام مالک نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

''مَہْ یَااَمِیْرَالْمُوْمِنِیْنَ لَاتَضَعْ فِیْ عِزَّۃِ شَیْ ءٍ رَفَعَہُ اللّٰہُ اَلْعِلْمُ یُؤْتٰی وَلَایُوْتٰی'' ٹھہریئے: اے امیرالمومنین! آپ نے اس چیز کی عزت باقی نہیں رکھی جسے اللہ تعالیٰ نے بلندی دی، علم ایک ایسی چیز ہے کہ لوگ اس کے پاس آتے ہیں نہ کہ علم لوگوں کے پاس جاتا ہے۔

ہارون رشید نے انصاف سے کہا ''صَدَقْتَ اَیُّھَاالشَّیْخُ کَانَ ھٰذَا ھَفْوَۃٌ مِّنِّیْ فَاسْتَرُھَا عَلَیَّ'' اے شیخ! آپ نے سچ کہا یہ میری لغزش تھی، معاف کردیا جائے۔

بعدہ امین و مامون کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانہ پر بھیجا، آپ ان دونوں کو دیگر

طلبہ کے ساتھ بٹھا کر درس دیتے اور امام مالک خود باہیبت اور پر جلال رہتے تاکہ سلاطین وامرا خوف کھائیں۔ (مناقب ائمہ اربعہ فارسی، ص ۳۴/۳۵)

امام مالک اور احترام مدینۃ الرسول ﷺ

جس طرح آپ حدیث رسول ﷺ کا نہایت ہی ادب واحترام کرتے تھے اسی طرح شہر رسول ﷺ کا بھی ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ابن خلکان ذکر کرتے ہیں ''کَانَ مَالِکٌ لَایَرْکَبُ فِی الْمَدِیْنَۃِ مَعَ ضُعْفِہٖ وَکِبْرِسِنِّہٖ وَیَقُوْلُ لَااَرْکَبُ فِیْ مَدِیْنَۃٍ فِیْھَا جُثَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَدْفُوْنَۃٌ'' امام مالک رضی اللہ عنہ ضعف اور کبرسنی کے باوجود مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر سوار نہیں ہوتے۔ اور فرماتے تھے جس ارض مقدس میں جسم اطہر مدفون ہو اس میں سوار ہونا شان محبت اور ادب کے خلاف ہے۔ (التعلیق المجید علی موطا امام محمد، ص ۱۵)

ابونعیم مثنیٰ بن سعید سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''سَمِعْتُ مَالِکاً یَقُوْلُ مَابِتُّ لَیْلَۃً اِلَّارَأَیْتُ فِیْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ'' امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں جب بھی رات کو سوتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔

امام ملک رحمۃ اللہ علیہ یہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی سے خوشبو آتی ہے۔ اور تین دن پر ایک مرتبہ استنجا کے لیے جاتے اور فرماتے کہ مجھے بار بار جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ قضائے حاجت کے لیے مدینہ منورہ کے حرم سے باہر نکل جاتے بجز عذر بیماری وغیرہ۔ یہی حال امام اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی تھا کہ جب سفر حج کے لیے حاضر ہوتے تو مدینہ منورہ کی حدود میں قضاے حاجت نہیں فرماتے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر چند خراسانی گھوڑے اور مصری خچر بندھے ہوئے دیکھے جن سے عمدہ اور بہتر میں نے کبھی نہیں دیکھے، میں نے تعجب خیز لہجے میں حضرت سے دریافت کیا کہ یہ گھوڑے اور خچر کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عبداللہ میری جانب سے سب کو ہدیۃً قبول کرلو۔ میں نے کہا سواری کے لیے ایک ہی رکھ لیجئے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ جس ارض مقدس پر حضور ﷺ کی تربت اقدس ہو اس زمین کو گھوڑوں اور خچروں کے کھر

سے روندوں یہ میرے دل کو گوارا نہیں ہے۔(ایضاً)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کوئی ذاتی مکان ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ تو اس نے آپ کو تین ہزار اشرفیاں دے کر کہا کہ آپ ایک مکان خرید لیجئے۔ آپ نے اشرفیاں قبول کر لیں۔ جب ہارون رشید کی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو نہایت اچھا ہوگا۔ کیوں کہ میں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ لوگوں کو موطا کا حامل بناؤں۔ جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حامل قرآن بنایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام مختلف شہروں میں قیام پذیر ہوئے۔ اور ہر اہل شہر کے پاس علم ہے۔ اور رہا میرا تمہارے ساتھ چلنا تو یہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ" مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے۔ رہی اشرفیاں سو یہ موجود ہیں، چاہو تو لے لو یعنی تم جو یہ احسان کر کے مدینہ سے جدا کرنا چاہتے ہو یہ نہیں ہوسکتا۔

دَارُ الْحَبِیْبِ اَحَقُّ اَنْ تَهْوَاهَا وَنَحْنُ مِنْ طَرَبٍ اِلٰی ذِکْرَاهَا

حبیب کا گھر زیادہ حق دار ہے کہ اس کی خواہش کی جائے اور ہم اس کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔

امام مالک رضی اللہ عنہ شہر رسول کی محبت و ادب اور تعظیم و توقیر میں حد درجہ کوشاں رہتے تھے اور ہرگز مدینہ منورہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ ہاں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گیے اور بس۔ امام مالک کا ذاتی مکان جو تھا تو اسے طلب علم کے شوق میں فروخت کر دیا تھا پھر کوئی مکان نہ بنایا تھا۔ اور مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھتے جہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جائے نشست تھی اور یہ وہی جگہ تھی جہاں اعتکاف کے موقع پر حضور ﷺ کا بستر مبارک بچھایا جاتا تھا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے اقوال زریں

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے جو بڑا پر مغز علم و حکمت سے لبریز اور احادیث نبویہ کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَخَیْرُ اُمُوْرِ الدِّیْنِ مَاکَانَ سُنَّةً وَشَرُّ اُمُوْرِ الْمُحْدَثَاتِ الْبَدَائِعُ

دین کا بہترین کام وہ ہے جو سنت ہو اور بدترین چیزیں وہ ہیں جو دین میں نئی نئی خلاف سنت نکالی جائیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دے۔

آپ نے اپنے بھانجوں ابوبکر و اسماعیل سے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں علم حدیث میں بہت شوق ہے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر تم حقیقتاً دوست رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا تمہیں نفع عنایت فرمائے تو حدیث کی روایت کم کرو اور علم فقہ زیادہ حاصل کرو۔

ایک دفعہ کسی نے طلب علم کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ علم کا طلب کرنا اچھی چیز ہے مگر آدمی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ صبح و شام تک جو امور واجبہ ہیں ان پر کتنا عمل کیا۔

ایک مرتبہ فرمایا بے کار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے۔ غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے۔ اگر انسان کا دین برباد ہونے لگے تو دنیا کتنی بھی ہو بے کار ہے۔

تصنیفات امام مالک رضی اللہ عنہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حدیث اور فقہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان عالم اسلام میں فقہی انداز پر کتابیں لکھی جانے لگی تھیں۔ تقریباً اس کے تیس سال بعد ۱۷۹ھ میں امام صاحب کی وفات ہوئی۔ اس دوران بہت سے علمائے کرام نے کتابیں لکھیں۔ جن میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک نمایاں مقام کے حامل تھے۔ قاضی عیاض نے امام مالک کی تصنیفات میں درج ذیل کتابوں کی نشاندہی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کتاب الموطا (۲) رسالة الی ابن وهب فی القدر (۳) التفسير لغريب القرآن (۴) كتاب النجوم وحساب مدار الزمان ومنار القمر (۵) رسالة مالك فی الاقضية (۶) رسالة الی ابی غسان محمد بن مطرف فی الفتور (۷) الكتاب المناسك (۸) رسالة الی هارون الرشيد المشهور فی الآداب والمواعظ (۹) كتاب السير (۱۰) رسالة الی الليث فی اجماع اهل المدينة (۱۱) تفسير القرآن (۱۲) كتاب المسائل (ترتیب المدارک: ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷)

موطا امام مالک رضی اللہ عنہ اور زمانہ تالیف

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی مشہور ومقبول ترین کتاب موطا ہے۔ جو کتب خانہ اسلام کی وہ دوسری کتاب ہے۔ جو قرآن مجید کے بعد با قاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔ علامہ ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں کہ موطا ہی نقش اول اور بنیادی کتاب ہے۔ بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقش ثانی کی ہے۔ اور انہیں دونوں کتابوں پر مسلم وترمذی جیسے بعد کے مولفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے۔

موطا م کی تصنیف تو مدینہ منورہ میں ہوئی اس لیے کہ امام مالک ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ لیکن تالیف کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف قراین سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں امام مالک کے خاص شاگرد ابو مصعب کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ موطا کی تالیف خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر اس کے دور حکومت میں شروع ہوئی تھی لیکن تکمیل اس کے انتقال کے بعد ہوئی۔ منصور کا ۶ ر ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں انتقال کرتا ہے۔ بعدہ اس کا بیٹا مہدی تخت نشین ہوا اور اس کی حکومت کے ابتدائی دور میں موطا کی تالیف مکمل ہوئی ہے۔

ابن حزم نے یہ بیان کیا ہے کہ موطا کی تالیف یحیی بن سعید انصاری کے بعد کی ہے متوفی ۱۴۳ھ۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ۱۵۰ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لیے کہ ۱۴۸ھ میں شہر بغداد کی تعمیر بھی پایہ تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ تو اس نے اس قسم کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اور بعض دوسرے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے۔ علامہ کوثری کی تحقیق یہی ہے کہ موطا کی تالیف امام اعظم کی وفات کے بعد منصور کے آخری عہد میں شروع ہوئی اور مہدی کے ابتدائی دور میں مکمل ہوئی۔

منصور نے امام مالک کو موطا کی تالیف پر آمادہ کیا تو ان سے اس طرح مخاطب ہوا کہ ابو عبد اللہ تم جانتے ہو کہ اب اسلام میں تم سے اور مجھ سے زیادہ شریعت کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ رہا میں تو خلافت وسلطنت کے جھگڑوں میں ہوں اور تم کو فرصت حاصل ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے لیے ایسی کتاب تصنیف کر جاؤ جس سے لوگ فائدہ حاصل کریں۔ اس کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

کی رخصتیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیاں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شواذ کو نہ بھرو اور لوگوں کے لیے تصنیف وتالیف کا ایک نمونہ قائم کر دو۔ امام مالک فرماتے ہیں بخدا منصور نے یہ باتیں کیا کہیں کہ تصنیف ہی سکھادی۔

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہو کر اس کو شیوخ حدیث کی خدمت میں پیش کیا سب نے اس کو انتہائی درجہ پسند کیا۔ عام اہل مدینہ کے لیے وہ دن عجیب مسرت کا تھا۔ جب ان کے مجموعہ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ سعید بن انام ایک شاعر موطا کی تعریف میں کہتا ہے:

فَبَادِرْ مُوَطَّا مَالِکٍ قَبْلَ فَوْتِہٖ فَمَابَعْدَہٗ اِنْ کَانَ لِلْحَقِّ مَطْلَبُ

تم مالک کی موطا کو جلد لو کھونے نہ پائے۔ اگر یہ کھوگئی تو حق کی جستجو کی پھر جگہ نہیں۔

وَدَعْ لِلْمُوَطَّا کُلَّ عِلْمٍ تُرِیْدُہٗ فَاِنَّ الْمُوَطَّا اَلشَّمْسُ وَالْغَیْرَ کَوْکَبُ

اور موطا کے لیے ہر اس علم کو جس کو چاہتے ہو چھوڑ دو۔ کیوں کہ موطا آفتاب ہے اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں ستارہ ہیں۔

موطا کی وجہ تسمیہ

موطا کی وجہ تسمیہ میں بہت سی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ لیکن ان سے بہتر ہے کہ خود مؤلف امام مالک ہی کی زبانی سماعت فرمالیں کہ انہوں نے اس کی وجہ تسمیہ کیا بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”عَرَضْتُ کِتَابِیْ ھٰذَا عَلٰی سَبْعِیْنَ فَقِیْھاً مِنْ فُقَھَاءِ الْمَدِیْنَۃِ فَکُلُّھُمْ وَاطَانِیْ عَلَیْہِ فَسَمَّیْتُہٗ بِالْمُوَطَّا“ میں نے اپنی اس کتاب کو مدینہ منورہ کے ستر فقہا پر پیش کیا سب نے میری موافقت کی، اس لیے میں نے اس کا نام موطا رکھا۔

لفظ ”موطا“ توطیہ کا مفعول ہے جس کے معنیٰ صاحب قاموس نے روندنے، کسی چیز پر چلنے، تیار کرنے اور نرم وسہل بنانے کے بیان کیے ہیں۔ تو موطا کے لغوی معنیٰ روندا ہوا، چلا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم وسہل بنایا ہوا، کے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ”مسوّیٰ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ روندے ہوئے اور چلے ہوئے کے مجازی معنیٰ یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ، علما اور اکابر چلے ہوں۔ اور جس کو ان سب کی رایوں نے روندا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق

کیا ہو، اس طرح گویا اس کے معنی متفق ومطابق کے ہیں۔ چونکہ تصنیف کے بعد شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق کیا اور مطابقت کی ہے۔ اس لیے اس کا نام موطا سے مشہور ومعروف ہوگیا۔ (مقدمہ مسوّیٰ:ص ۶)

حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم اصبہانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحاتم سے دریافت کیا کہ اس کا نام موطا کیوں رکھا گیا؟ تو فرمایا کہ امام مالک نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لیے سہل اور آسان کر دیا، اس لیے اس کا نام موطا رکھا گیا۔

حضرت ابن فہر نے فرمایا کہ امام مالک سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھا بلکہ آپ کے ہم عصر مصنفین میں سے بعض نے جامع کے ساتھ، بعض مصَنَّف کے ساتھ اور بعض نے مُؤَلَّف کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

موطا کا مقام اور مقبولیت

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تصنیفات میں موطا کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ موطا کے بارے میں حضرت امام شافعی فرماتے ہیں "مَاتَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ اَصَحُّ مِنْ مُوَطَّا مَالِکٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ" روئے زمین پر موطا امام مالک سے صحیح ترین کتاب کوئی نہیں۔ یہ قول اس وقت کا ہے جب کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ امام صاحب نے تقریباً دس ہزار احادیث کریمہ سے منتخب کر کے موطا کو مرتب کیا ہے۔ اور سال بہ سال اس کی تحقیق وتنقیح کرتے رہے۔ اسی طرح اس میں کمی ہوتی رہی۔ ابتداءً موطا میں چار ہزار یا اس سے زائد حدیثیں تھیں۔ مگر ان کے انتقال کے وقت ایک ہزار سے کچھ زیادہ رہ گئیں۔ بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام مالک سے کی اور بہت سے راویوں نے بعد میں روایت کی۔ اس وجہ سے اس کے بہت سے نسخے تیار ہوگیے جن میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ بعض نے نسخوں کی روایت کی تعداد بیس اور بعض نے تیس بتائی ہے۔ کئی راویوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کی اور اس میں قدرے حذف اور اضافہ کے ساتھ مستقل ایک شکل دے دی۔ جیسے موطا امام محمد جو دراصل موطا امام مالک ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ تو موطا کو تمام کتب سے افضل اور سب کی اصل تسلیم کرتے ہیں اور موطا کی شرح مصفی کے مقدمہ میں وجوہ ترجیح کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

جمہور علمائے کرام نے موطا کو کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے مختصر رسالہ "مایجب حفظہ للمناظر" میں کتب حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم فرمایا ہے اور طبقہ اولیٰ میں صحیحین اور موطا کو شمار کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔ اور صاحب "مفتاح السعادۃ" نے کتب حدیث کی ترتیب اس طرح رکھی ہے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور لکھا کہ علامہ نووی نے کتب اصول کو پانچ شمار کیا ہے۔ مذکورہ بالا ترتیب پر۔ لیکن جمہور علما نے اسے چھ شمار کیا ہے۔ ان میں موطا کو بھی شمار کیا ترمذی کے بعد نسائی سے قبل۔ یعنی پانچویں نمبر پر موطا کو رکھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ موطا مسلم کے بعد تیسرے درجہ میں ہے۔ اور ابن حزم نے تو موطا کو سب سے اخیر میں رکھا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ موطا میں اس کی تردید فرمائی ہے۔ اور کہا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ جس نے صحت اسناد کا اعتبار کیا اس نے موطا کو درجہ اولیٰ میں رکھا اور جس نے یہ گمان کیا کہ موطا میں صرف احادیث ہی نہیں فروع مالکیہ وغیرہ بھی ہیں اس نے موطا کو اخیر میں رکھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تدریب" میں ابن حزم کے قول کو تفصیل سے بیان کیا۔ ابن حزم نے یہ بھی لکھا ہے کہ موطا میں ستر، ۷۰ سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جس پر امام مالک نے خود عمل نہیں کیا۔ اور بعض احادیث موطا میں ایسی بھی ہیں جس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا جواب ظاہر ہے کہ امام مالک نے اپنی دانست میں مکمل تحقیق وتنقید کے بعد لکھا ہے۔ اس لئے وہ معذور ہیں اور ان پر دوسروں کا کلام حجت نہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس راوی میں وجوہ ضعف بعد میں پیدا ہوئے ہوں اور جن پر عمل نہیں کیا وہ مؤول یا منسوخ ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ اور آپ کے معاصرین حضرات نے موطا کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے کہ امام صاحب نے جب اسے فقہائے مدینہ کے سامنے پیش کیا تو سب نے داد وتحسین سے نوازا اور بعد کے علما کرام کے نزدیک انتہائی مقبول رہی۔ علامہ نووی شرح مسلم کے مقدمہ میں اپنے استاذ کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کتاب مجھ کو ایسی ملی جو ان تمام کتابوں (صحیحین اور ترمذی وغیرہ) سے بہتر ہے۔ اگرچہ یہ کتابیں بھی اچھی ہیں۔ اور وہ موطا ہے جس کے مصنف کا نام مالک بن انس ہے جو تمام محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔

علامہ زرقانی شارح موطا فرماتے ہیں کہ جب امام نے اس کتاب کو تصنیف فرمایا تو دوسرے علما نے اسی طرز سے احادیث کے مجموعے تیار کیے۔ لوگوں نے امام مالک سے جا کر بیان کیا آپ نے فرمایا کہ صرف اخلاص وحسن نیت کو بقا ہے۔ یہ پیشین گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ آج ان کی تصنیفات کا سوائے موطا ابن ابی ذئب کے نام ونشان بھی معلوم نہیں ہوتا۔

موطا کی مقبولیت وفضیلت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ موطا کی روایت امام مالک سے تقریباً ایک ہزار لوگوں نے کی ہے۔ جن میں ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ فقہا، محدثین، صوفیا وزہاد اور خلفا نے تبرکاً امام مالک سے اس کی سند حاصل کی ہے۔ اس لئے اس کے بہت سے نسخے وجود میں آئے اور وہ تیس طرق سے منقول ہے۔ لیکن سولہ نسخے مشہور ومعروف ہیں ان میں سے چار نسخے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یحیٰ، ابن بکیر، ابومصعب اور ابن وہب کے نسخے۔ تمام نسخوں کی تفصیل مقدمہ ''اوجز'' میں ہے۔ اس وقت موطا امام مالک کے نام سے جو مشہور ہے وہ یحیٰ اندلسی کا نسخہ ہے۔ اور جب موطا امام مالک بولتے ہیں تو یہی نسخہ مراد ہوتا ہے۔ اور اسی کی سیوطی، زرقانی، باجی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شرح بھی کی ہے۔

موطا کی شروح وحواشی

موطا کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین اور محشین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئی ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معلومات کے مطابق ان کی تعداد ۹۶/ بتائی ہے۔ ان کے بعد بھی اس میں ہر زمانہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہم یہاں چند شروحات وتعلیقات کا ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) المنتقی، ابوالولید باجی کی شرح ہے۔ (متوفی ۴۷۴ھ) صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ یہ ابن عبدالبر کی شرح ''التمہید'' کا اختصار ہے۔ (۲) الاسماء (۳) الاستیفاء، یہ دونوں بھی ابوالولید باجی کی ہیں۔ (۴) کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، حافظ عبدالبر قرطبی مالکی کی شرح ہے۔ (متوفی ۴۶۳ھ) موطا کے معانی کی تشریح اور اس کے اسانید کی تحقیق نیز اس کے ضمن فقہ وحدیث کی بے شمار معلومات بترتیب رواۃ اور حروف تہجی کے اعتبار سے درج کیا ہے

(۵) القیس فی شرح موطا امام مالک بن انس، قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہے۔ (متوفی ۵۴۶ھ) (۶) المقتبس فی شرح موطا امام مالک ابومحمد عبداللہ بن بطلیموسی نحوی کی ہے۔ (متوفی ۵۲۱ھ) (۷) کشف المغطا عن الموطا، حافظ علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح ہے (متوفی ۹۱۱) (۸) تنویر الحوالک، یہ بھی انہی کی لکھی ہوئی ہے جو کشف المغطا عن الموطا کا اختصار ہے۔ (۹) تجدیر الحوالک، یہ بھی انہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں صرف موطا کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ (۱۰) شرح زرقانی، محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی کی نفیس شرح ہے (متوفی ۱۱۲۲ھ) یہ شرح تین جلدوں میں ہے۔ اکثر حصہ فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے ۱۰۹۷ھ میں شروع کر کے ۱۱/ ذی الحجہ ۱۱۱۲ھ میں مکمل کیا ہے۔ (۱۱) المصفیٰ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فارسی زبان میں تعلیق ہے۔ اس میں اکثر اختلاف فقہا کی تفصیل ہے۔ (۱۲) المسوّیٰ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے جو مصفیٰ کا عربی میں اختصار ہے۔ (متوفی ۱۱۷۶ھ) (۱۳) الفتح الرحمانی، ابومحمد ابراہیم بن حسین معروف شیخ بیری زادہ حنفی کی شرح ہے۔ (متوفی ۱۲۹۴ھ) انہوں نے اکثر علامہ عینی کی شرح سے استفادہ کیا ہے۔ (۱۴) المجلی، شیخ اسلام اللہ حنفی دہلوی کی نہایت ہی محققانہ شرح ہے۔ (متوفی ۱۲۲۹ھ) جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے ہیں۔ (۱۵) التعلیق الممجد علی موطا امام محمد، مولانا عبدالحی لکھنوی کا حاشیہ ہے۔ (متوفی ۱۳۰۷ھ) (شمس المسالک تزئین الممالک سیوطی، ص ۵۴/ ۵۸، اس کے علاوہ کشف الظنون، مدارک وغیرہ سے ماخوذ ہے)

فقہ مالکی کو فروغ دینے والی کتابیں

جن کتابوں سے آپ کے مذہب مالکی کو فروغ ملا وہ مدونہ، واضحہ، عتبیہ اور موازیہ ہیں۔ اس کی قدر تفصیل یوں ہے کہ حضرت عبدالمالک بن حبیب اندلس آئے وہاں انہوں نے ''واضحہ'' نام کی کتاب مدون کیا اور مذہب مالکی کو عام کیا۔ پھر محمد بن احمد بن عبدالعزیز عتبی نے عتبیہ مدون کی۔ اسد بن فرات نے اصحاب امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا اس کے بعد مذہب مالکی کی طرف رخ کیا۔ چنانچہ وہ عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس رہ کر تمام فقہی ابواب کے متعلق لکھ کر قیروان آئے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسدیہ نام رکھا۔

پھراسدیہ کوسحنون نے اسد بن فرات کو پڑھ کر سنایا اور مشرق چلے گیے۔ وہاں انہوں نے ابن قاسم سے ملاقات کی۔ یہاں انہوں نے ان سے اسدیہ کے مسائل کے بارے میں بحث وتکرار کیا اوران سے سیکھا۔ انہوں نے اس کتاب کے بہت سے مسائل سے رجوع کیا۔ اوراسدیہ کے مسائل لکھ کر مدون کرنا شروع کیا اورجن مسائل سے انہوں نے رجوع کیا تھا اس کو باقی رکھا اور مدونہ نام رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اسد کے نام لکھا کہ وہ کتاب سحنون (مدونہ) کی پیروی کریں۔ اس پر اسد نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس لیے لوگ اسدیہ کو ترک کر کے مدونہ کی پیروی میں لگ گئے۔ حالانکہ اس کے اندر بھی بہت سے مسائل میں اختلاط تھا۔ اسی وجہ سے اس کو مختلطہ بھی کہا جاتا تھا۔

چنانچہ اہل قیروان نے ''مدونہ'' اور اہل اندلس نے ''واضحہ'' پر پورا دھیان دیا۔ پھر ابن ابی زید نے اسی ''مدونہ یا مختلطہ'' کا اختصار پیش کیا اور اس کا نام ''المختصر'' رکھا۔ پھر اسی کتاب ''المختصر'' کی تلخیص ابوسعید البرادعی (جو قیروان کے ایک بڑے فقیہ تھے) نے کی۔ اور اس کا نام ''تہذیب'' رکھا۔ اس کے بعد اہل اندلس نے عتبیہ پر اعتماد کیا اور واضحہ اور دیگر کتابوں کو ترک کر دیا۔ بعد میں انہیں امہات الکتب کی تشریح وتوضیح اور جمع وتالیف، علمائے مالکیہ کرتے رہے۔ ''موازیہ'' یہ حضرت محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری کی تصنیف ہے جو ابن مواز کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا انتقال ۲۶۹ھ میں ہوا۔

اسی کتاب کے بارے میں ''مدارک'' میں ''اجل کتاب الفہ المالکیون اصح المسائل وابسطہ کلاما واوعبہ'' یہ مالکیوں کی لکھی کتابوں میں سب سے ممتاز، اس کے مسائل صحیح ترین اور اس میں شرح وبسط کے ساتھ مسائل مذکور ہیں۔ جب کہ اس کتاب کو ابوالحسن القابسی نے مذہب مالکی کی تمام امہات الکتب پر ترجیح دی ہے۔

اجتہاد میں فقہ مالکی کی اہمیت

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے سات مخصوص فقہا اور دیگر فقہائے کرام سے ان کی فقہ اور حدیث پڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہر چہار جانب سے فتاویٰ آتے۔ آپ نے جو حدیث وفقہ پڑھی تھی اس کے مطابق فتویٰ دیتے۔ اگر ان سے مسائل کا تصفیہ نہیں ہو پاتا تو اس سے ملتی جلتی حدیث اور

فقہ کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تب اجتہاد کرتے۔ کتاب، سنت رسول ﷺ کی نص یا اس کے نچوڑ یا اس کے اشارہ یا مفہوم سے احکام کا استخراج کرتے۔ لیکن اس سے پہلے نصوص کے مابین موازنہ کرتے۔ چنانچہ سنت اور کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے نص میں تعارض نہ ہونے پر قیاس کا استعمال کر کے حکم صادر فرماتے اور اسی کو صحیح مانتے۔ پھر اگر کوئی ایسی مصلحت ہوتی تو اس مصلحت کے مطابق فتویٰ صادر کرتے جس میں شارع کی طرف سے نہ کوئی نص موجود ہو اور نہ اس کے اختیار میں کوئی حرج ہو۔ کیوں کہ فقہ مالکی میں مصلحت ان اصول میں سے تھی جن پر اس فقہ کا دارومدار تھا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کی آزمائش

تاریخ اسلامی کا یہ ایک سیاہ باب ہے کہ بہت سے صاحبان تخت وتاج نے اپنی امارت کے نشے میں اہل حق علما وفقہا پر بے جا ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ اسی سیاہ باب کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ منصور کے اشارے پر جعفر بن سلیمان نے امام مالک رضی اللہ عنہ کو بلوا کر ستر، ۷۰/ یا سو، ۱۰۰/ کوڑے لگوائے۔ ان کو کھینچا گیا اور دونوں ہاتھ کو کھنچوا کر مونڈھے سے اتروا دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ ہاتھ اٹھانا ان کے لیے دشوار تھا۔ ان تمام باتوں سے امام مالک کی عزت دوبالا ہوگئی اور شہرت میں اضافہ ہی ہوا۔ چنانچہ بعض علما نے تحریر کیا ہے کہ یہ کوڑے کیا تھے امام مالک کے لیے زیور تھے جس سے زینت اور اعزاز میں اضافہ ہو گیا۔

وجہ ابتلا میں شدت سے اختلاف ہے۔ کوئی طلاق مکرہ کے عدم وقوع کو بیان کرتا ہے۔ کوئی حضرت علی پر حضرت عثمان غنی کی تقدیم کو بیان کرتا ہے۔ کوئی یہ لکھتا ہے کہ والی مدینہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے یہ شکایت کر دی تھی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کو ترک کر دیا ہے۔ اور جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''لَیۡسَ کُلُّ النَّاسِ یَقۡدِرُ اَنۡ یَتَکَلَّمَ بِعُذۡرِہٖ'' ہر شخص اپنا عذر بیان کی قدرت نہیں رکھتا۔

ابومصعب سے منقول ہے کہ امام مالک پچیس سال تک مسجد کی جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی منکر دیکھوں اور اس پر روک ٹوک نہ کر سکوں۔

بعض مورخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو سزا دینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو حرام قرار دیا جبکہ خلفاے بنو عباس اس کو درست مانتے تھے۔ وجہ جو بھی رہی ہو۔ لیکن یہ طے ہے کہ آپ پر کوڑا برسایا گیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جب نفس زکیہ نے مدینہ منورہ میں منصور کے خلاف اعلان جنگ کیا تو امام مالک نے بھی لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ منصور نے جبراً بیعت لی اور اس کی بیعت درست نہیں ہے۔ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے۔

سفاح اور منصور کے لرزہ خیز مظالم کی داستان کتب تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو اور ان کے عمال کو فاسق سمجھتے تھے۔ اور ''فروع مالکیہ'' میں ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز باطل ہے اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جماعت میں شرکت نہ کرتے تھے۔

دراوردی کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا جب کوڑے لگائے گیے تو امام مالک نے فرمایا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ'' اے اللہ! ان کو بخش دے اس لیے کہ وہ نہیں جانتے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کوڑوں کی ضرب سے بے ہوش ہو گیے اور گھر پر لائے گیے تو ہوش میں آتے ہی فرمایا تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والوں کو معاف کر دیا ہے۔ یہ واقعہ (۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ) کا ہے۔ اس کے بعد جب منصور حج کے لیے آیا تو اس نے امام مالک سے کہا آپ چاہیں تو جعفر سے قصاص دلا دوں، امام مالک نے ارشاد فرمایا کہ واللہ جب بھی مجھ پر کوڑا برسایا جاتا تو فوراً جعفر کو معاف کر دیتا تھا اس لیے حضور ﷺ سے اس کو قرابت ہے کہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ جعفر بن سلیمان نے جو کچھ کیا تھا منصور کے اشارے پر کیا تھا اور اس کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے معاف کر دیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منصور کو بہت افسوس ہوا تھا۔ جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بھی اس کو ندامت ہوئی ہو اور تسلی کے طور پر قصاص کی بات کی ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ معافی کے بعد قصاص کا کوئی سوال ہو ہی نہیں سکتا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کی وفات

یحییٰ بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت آخری ملاقات کے لئے ایک سو تیس فقہا اور محدثین حاضر تھے۔ اور سب اسی انتظار میں کھڑے تھے کہ شاید ایسی حالت میں امام کی نگاہ کرم مجھ پر پڑ جائے اور میری دنیا و آخرت سنور جائے۔ اس حالت میں آنکھیں کھولیں اور یحییٰ بن یحییٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَضْحَکَ وَاَبْکیٰ وَاَمَاتَ وَاَحْییٰ'' اس خدائے تبارک و تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہمیں کبھی خوشی دے کر ہنسایا اور کبھی غم دے کر رلایا، ہم اسی کے حکم سے زندہ رہے اور اسی کے حکم پر جان دے رہے ہیں۔ بعدہ فرمایا اب موت سر پر کھڑی ہے اور خداوند قدوس سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے امام! اس وقت آپ کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا ''الحمد للہ'' میں اولیاء اللہ کی صحبت کی وجہ سے بہت خوش ہوں۔ اور میں اہل علم کو اولیا میں سے سمجھتا ہوں۔ یاد رکھو! حضرات انبیاے کرام علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کو علما سے زیادہ عزیز کوئی مخلوق نہیں ہے۔ علماے کرام انبیاے عظام کے وارث ہیں۔ اور میں بے حد خوش دل ہوں کیوں کہ میری تمام زندگی تحصیل علم دین اور تعلیم میں گزری ہے۔ سن لو! میں کسی آدمی کو شریعت کا ایک مسئلہ بتا کر اس کے اعمال کی اصلاح کر دینا یا کسی عالم سے ایک مسئلہ پوچھ کر اپنے اعمال و ایمان کی اصلاح کر لینا ایک سو حج نفل، اور ایک سو جہاد سے بہتر سمجھتا ہوں۔ بعدہ آپ کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ اور چند منٹ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' (اولیاء رجال الحدیث: ص ۲۸۲)

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ یک شنبہ کو بیمار ہوئے اور تقریباً تین ہفتہ بیمار رہے۔ مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بائیسویں دن یکشنبہ، ۱۱/ یا ۱۴/ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں یہ نفس قدسی صفات مضیق زمان و مکان سے سعت اعلیٰ علیین و جوار اقدس رب العالمین کی طرف انتقال کر گیا۔ جسد مبارک مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوا۔

کسی بزرگ نے ایک ہی قطعہ میں ولادت، وفات اور عمر سب کو جمع کر دیا ہے۔

فَخْرُالْاَئِمَّۃِ مَالِکٌ نِعْمَ الْاِمَامُ السَّالِکُ   مَوْلُوْدُہٗ نَجْمُ ھُدیٰ وَفَاتُہٗ فَازَمَالِکٌ

امام مالک اماموں کے لیے فخر ہیں۔پیروں کے لیے بہترین پیشوا ہیں۔ان کی تاریخ پیدائش ہدایت کا ستارہ ۹۳ھ ہے۔اوران کی تاریخ وفات یہ ہے کہ مالک کامیاب ہوئے ۱۷۹ھ اس سے عمر بھی معلوم ہوگئی چھیاسی سال۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ’’المدارک‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ جس رات امام مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔اسی رات عمر بن سعد انصاری نے خواب دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔

لَقَدْ اَصْبَحَ الْاِسْلَامُ زَعْزَعَ رُکْنُہٗ   غَدَاۃً ثَوَی الْھَادِیْ لَدیٰ مُلْحَدِالْقَبْرِ

اسلام کے ستون ہل گیے جس صبح کو رہنما قبر میں آسودہ ہوا۔

اِمَامُ الْھُدیٰ لَازَالَ لِلْعِلْمِ صِیَاناً   عَلَیْہِ سَلَامُ اللّٰہِ آخِرَ الدَّھْرِ

وہ ہدایت کا پیشوا اور ہمیشہ علم کا محافظ رہا اس پر تا قیامت خدا کا سلام ہو۔

دور دراز شہروں اور ملکوں کے علما کو جب امام مالک کی وفات کی خبر پہونچی تو انھوں نے غم واندوہ کا اظہار کیا۔کوفہ میں سفیان بن عیینہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر سکوت طاری ہوگیا اور بے ساختہ ارشاد فرمایا’’مَاتَرَکَ عَلٰی رَحْبِ الْاَرْضِ مِثْلَہٗ‘‘ روئے زمین پر امام مالک نے اپنی مثال نہیں چھوڑی۔حماد بن زید نے کہا’’رحمۃ اللہ کان من الدین بمکان‘‘ خدائے تعالیٰ رحم فرمائے مذہب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔

امام کا غم ۳۲۲ رسال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا۔آپ کے انتقال پر ابو محمد جعفر بن حمد بن حسین السراج نے ذیل کے اشعار میں مرثیہ کہا:

سَقٰی جَدَثاً ضَمَّ الْبَقِیْعَ لِمَالِکٍ   مِنَ الْمُزْنِ مِرْعَادِ السَّحَائِبِ مِبْرَاقٖ

(اللہ تعالیٰ) اس قبر کو سیراب کرے جو مالک کو اپنے آغوش میں لے لے۔بجلی اور کڑک کے ساتھ برسنے والے بادل سے۔

اِمَامٌ مُؤطَاہُ الَّذِیْ طَبَّقَتْ بِہٖ   اَقَالِیْمُ فِی الدُّنْیَافَسَاحَ وَاَفَاقٖ

وہ امام جس کی موطا ہے جس پر دنیا کے وسیع ملکوں اور گوشوں نے اتفاق عام کیا ہے۔

اَقَامَ بِہٖ شَرْعَ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍلَہٗ   حَذَرٌ مِنْ اَنْ یَضَامَ وَاَشْفَاقٗ

وہ جس نے اپنی موطا کے ذریعہ نبی کی شریعت کو قائم کیا اور جس کا ان کو ڈر تھا کہ اس شریعت پر ظلم نہ ہو۔

لَہٗ سَنَدٌ عَالٍ صَحِیْحٌ وَھَیْبَۃٌ   فَلِکُلٍّ مِنْہُ حِیْنَ یَرْوِیْہِ اِطْرَاقٗ

اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور ہیبت ناک ہے۔جب وہ اس کی روایت کرتے ہیں تو سب بغور سنتے ہیں۔

وَلَمْ یَکُنْ اِلَّاابْنُ اِدْرِیْسَ وَحْدَہٗ   کَفَاہُ اِلَّا اِنَّ السَّعَادَۃَ اِرْزَاقٗ

اگر امام شافعی کے سوا کوئی اوران کا شاگرد نہ ہوتا تو بھی ان کے لئے فخر کافی تھا ہاں خوش بختی بھی روزی ہے۔

خلاصہ کلام

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جہاں فقیہ الاثر تھے وہیں فقیہ الرائے بھی تھے۔آپ کی فقہ منجمد نہ تھی جیسا کہ ابن خلدون نے اس فقہ پر الزام لگایا ہے۔آپ کی فقہ حالات اور مقتضیات زمانہ پر منطبق تھی۔جس کی اصل بنیاد کتاب اللہ اور سنت کے ساتھ دیگر اصول فقہ مالکی تھی۔فقہ مالکی آج بھی حجاز،بصرہ،مصر،بلاد افریقہ،اندلس،صقلیہ،مراکش،اسلم،سوڈان، میں پائی جاتی ہے۔بغداد میں بھی خوب خوب اس کا ظہور ہوا۔لیکن چار سو ہجری تک کچھ کمزور شکل میں رہی۔نیشاپور میں اس کا فروغ ہوا۔جہاں پر اس فقہ کے ائمہ اور مدرسین پائے گیے۔

حیات

حضرت سیدنا

ابوعبداللہ محمد شافعی بن ادریس

رضی اللہ عنہ

والشافعی صین ببر ند

۱۵۰ھ ۲۰۴ھ ۵۴سال

فہرس

امام شافعی رضی اللہ عنہ اہل سنت کے ان چار عظیم وجلیل اماموں میں سے ایک ہیں جن کے علم واجتہاد، فضل وکمال اور زہد وورع پر اس امت کا اتفاق ہے، امت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ آپ کا مقلد ہے اور آپ ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے خود کو شافعی کہتا ہے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی محمد ہے، کنیت ابوعبداللہ اور لقب شافعی ہے، والد کا نام ادریس ہے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبدمناف الہاشمی القرشی المطلبی۔ (حلیۃ الاولیاء ج۹،ص۶۷۱)

آپ کے سلسلہ نسب میں ایک نام حضرت شافع ہے جو صغار صحابہ میں سے ہیں، حضرت شافع ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے حضرت شافع کے والد سائب جو جوانی کے ایام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت سائب بن عبید بن ہاشم کے علمبردار تھے، یہ بدر کے دن کفار مکہ کے ساتھ تھے، اور مکہ والوں کی شکست کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ آپ بھی قیدی بنالیے گئے تھے، آپ نے قید سے رہائی کے لئے فدیہ ادا کیا اس کے بعد آپ ایمان کی دولت سے بہرور ہوئے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال ص۶۲۵)

عبد یزید بن ہاشم کی ماں ہاشم بن عبدمناف کی لڑکی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں اور شافع کی ماں خلدہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف فاطمہ بنت اسد کی بہن ہیں جو امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن یزید بن حسن بن علی بن ابی طالب اس طرح بھی امام شافعی کی والدہ کا نسب مذکور ہے، اس سے ثابت ہوا کہ امام شافعی کا نسب عبدمناف میں جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، اس وجہ سے آپ ہاشمی اور قرشی ہیں، اور آپ میں یہ ایک ایسا وصف ہے جو باقی تینوں ائمہ مجتہدین سے آپ کو ممتاز کر دیتا ہے۔ (مناقب ائمہ اربعہ فارسی، ص۳۷/۳۸)

ولادت باسعادت: مؤرخین اور سیرت نگاروں نے کہا کہ آپ کے والد بزرگوار نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر فلسطین کے ایک شہر غزہ کا رخ کیا، اور آپ کا یہ سفر طلب معاش کے لیے تھا، آپ کے والد گرامی نے غزہ میں سکونت اختیار کر لی، اسی شہر غزہ میں ۱۵۰ھ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کی پیدائش شہر عسقلان میں ہوئی، بعض لوگوں نے یہ بھی

بیان فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت شہر یمن میں ہوئی اور اس سن میں ہوئی جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا اور بعض نے یہ بیان کیا ہے آپ کی ولادت باسعادت اس دن ہوئی جس دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ''دن کا یہ اتفاق بعض روایت میں مذکور ہے، جب کہ مؤرخین کے نزدیک اسی سال میں پیدا ہونا مسلم ہے۔

محمد بن حکیم فرماتے ہیں ''امام شافعی کی والدہ محترمہ کو جب حمل قرار پایا، تو ان کی والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ آپ کے شکم مبارک سے نکلا اور پارہ پارہ ہوگیا، پھر اس کے اجزاء ہر شہر میں بکھر گیے، معبر حضرات نے اس خواب کی تعبیر بیان کی آپ کے بطن پاک سے ایک زبردست عالم پیدا ہوگا جس کا علم دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گا۔ (اکمال فی اسمائے الرجال ص۶۲۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرماتے ہیں کہ بچپن میں میری پوری توجہ دو باتوں کی طرف تھی ایک تو تیراندازی اور دوسری تحصیل علم، تیراندازی میں مجھے اتنی مہارت ہوگئی تھی کہ دس میں دس نشانہ صحیح بیٹھتا تھا اسی زمانے میں گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا، تیراندازی اور شہ سواری کے موضوع پر ''کتاب السبق الرمی''، لکھی جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۱۲)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لڑکے تم کون ہو؟ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ایک فرد ہوں، فرمایا میرے قریب آؤ، میں آپ سے قریب ہوگیا اور منہ کھول دیا، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ، ہونٹ اور زبان پر مل دیا اور فرمایا جاؤ اللہ تمہیں خیر وبرکت سے نوازے۔

امام صاحب اپنے بچپن کا ایک اور خواب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت وجیہ انسانی صورت میں مکہ کے اندر دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں لوگوں کی امامت فرما رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تعلیم دینے لگے، میں ان سے قریب ہوا، اور عرض گزار ہوا کہ مجھے بھی تعلیم فرمایئے، آپ نے اپنی آستین سے ایک ترازو نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے لیے ہے، امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک معبر سے اس کی تعبیر دریافت کی تو اس نے بتایا کہ علم کے اعتبار سے آپ منصب امامت پر فائز ہوں گے، اور سنت رسول کی پیروی کریں گے، کیونکہ مسجد حرام کا امام دیگر اماموں سے افضل ہوتا ہے اور ترازو سے مراد یہ ہے کہ اشیا کی

حقیقت تک آپ کی رسائی ہوگی۔(اکمال فی اسمائے الرجال،ص۶۲۵)

امام شافعی اور تحصیل علم

ابتدائی عمر میں امام شافعی بہت تنگ دست تھے،خود فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ میری تعلیم کے لیے معلم کو اجرت دے سکیں،لیکن وہ معلم اس بات پر راضی ہوگئے کہ جب میں کچھ دیر کے لیے باہر چلا جاؤں تو یہ میری درسگاہ میں ان بچوں کو پڑھائے،فرماتے ہیں کہ جب میں نے قرآن کریم ختم کرلیا تو پھر میں اعلی علوم وفنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا،ابتداً شعروادب،لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ فرمائی،اس کے بعد تجوید وقرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع فرمائی۔

آپ نے شعرولغت میں وہ کمال حاصل کیا کہ آپ کا شمار ائمہ لغت میں ہونے لگا۔امام صمعی فرماتے ہیں کہ "صَحَّحْتُ اَشْعَارَ هُذَيْلٍ عَلٰى فَتًى مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِيْسَ"، میں نے ہذیل کے بہت سے اشعار کی صحت ایک قریشی نوجوان سے معلوم کی،اس قریشی جوان کا نام محمد بن ادریس ہے،امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے "كَانَ الشَّافِعِي مِنْ اَفْصَحِ النَّاسِ"، امام شافعی لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی کی قرأت بہت پسند تھی کیونکہ آپ کی زبان میں بڑی فصاحت تھی۔(حلیۃ الاولیاء،ج۹،ص۷۳)

آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں"ایک دن میں ذوق وشوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی،اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو جاؤ جا کر فقہ کا علم حاصل کرو،میرے دل پر اس آواز کا بڑا اثر ہوا،اور میں نے مکہ میں سفیان بن عینیہ کی درسگاہ میں حاضری دی ان کے بعد حضرت خالد بن رنجی جو حدیث کے امام اور مفتی مکہ تھے،ان کی درسگاہ سے فیض حاصل کیا اور تین سال تک ان سے علم فقہ وحدیث کی تحصیل کرتا رہا۔

امام شافعی کی بارگاہ امام مالک میں حاضری

پھر اسی اثناء میں ہمیں معلوم ہوا کہ امام مالک اس وقت کے امام المسلمین اور سید العلما ہیں،فرماتے ہیں کہ دل میں امام مالک سے کسب فیض اور تحصیل حدیث کا جذبہ بیدار ہوا،میں نے ایک آدمی سے مؤطا عاریتاً حاصل کر کے اسے حفظ کرلیا بعدہٗ والیٔ مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر والیٔ مدینہ اور امام مالک بن انس کے نام شفارشی خط حاصل کئے اور مدینہ منورہ پہونچ گیا اور حاکم مدینہ کو خط دیا تو اس نے کہا اے نوجوان! اگر تم مجھ سے مدینہ منورہ سے مکہ تک پیدل ننگے پاؤں چلنے کی تکلیف دو تو یہ مجھ پر آسان ہے بہ نسبت امام مالک کے دروازے تک چلوں،تو میں نے کہا اگر آپ چاہیں تو انہیں خود ہی تشریف لانے کے لیے فرمائیں،والیٔ مدینہ نے کہا یہ تو اور دشوار ہے،بہتر یہی ہے کہ تم ان کی بارگاہ میں حاضر رہو،اور خدمت میں رہو،اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے لیے بھی ان کا دروازہ کھل سکے۔

حاکم مدینہ امام مالک کی بارگاہ میں حاضری کی غرض سے سوار ہوگیا،امام شافعی بھی ساتھ ہولئے،پہنچنے پر ایک شخص نے دروازے پر دستک دی ایک سیاہ فام باندی باہر آئی،اس سے امیر مدینہ نے کہا کہ اپنے آقا سے کہنا کہ میں ملاقات کی غرض سے دروازے پر آیا ہوں،باندی اندر گئی اور بہت دیر کے بعد آئی اور کہا کہ آقا کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ایک کاغذ پر لکھ دیجئے تاکہ اس کا جواب دیا جائے اور تمہارے آنے کی کوئی دوسری غرض ہے تو اس کے لیے جمعرات کا دن مقرر ہے لہٰذا تشریف لے جائیے اور اس روز آیئے والی مدینہ نے کہا کہ میں حاکم مکہ کا ایک اہم معاملہ میں خط لے کر آیا ہوں،پھر وہ باندی اندر گئی اور ایک کرسی لے کر حاضر آئی جسے دروازے کے کنارے لگا دیا۔

اس کے بعد امام مالک عظمت وجلال کے ساتھ تشریف لائے،آپ دراز قامت،باوقار اور پر جلال آدمی تھے،اور طیلسان کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھے،پھر حاکم مدینہ نے حاکم مکہ کا خط آپ کے حوالے فرمایا،آپ اس کر پڑھتے ہوئے جب اس عبارت پر پہونچے ان محمد بن ادریس رجل من امرہ کذا کذا"، یعنی محمد بن ادریس ایک شریف اور لائق لڑکا ہے اور اس کا معاملہ ایسا ایسا ہے یعنی تنگ دست ہے اور آپ سے علوم وفنون حاصل کرنے کا ذوق وشوق ہے،یہ جملہ پڑھ کر خط آپ

کے ہاتھ سے زمین بوس ہوگیا، اور فرمایا سبحان اللہ! کیا رسول اللہ ﷺ کے علم کی قدر اتنی گھٹ گئی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے شفارشی خط کی ضرورت پیش آئے؟ امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کے قریب ہوکر عرض کیا ''اَصْلَحَکَ اللّٰہُ،، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور آپ کے درجات اور بلند فرمائے، میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں میرے حالات یہ ہیں، آپ نے جب میری گفتگو سماعت فرمائی تو کچھ دیر تک میری طرف دیکھتے رہے، امام مالک کو فہم وفراست کا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اے نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا محمد بن ادریس، فرمایا اے محمد اللہ سے ڈرو اور معاصی سے پرہیز کرو کیونکہ عنقریب تمہاری بڑی شان ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارے قلب میں ایک نور رکھے گا تم اسے معصیت کے ذریعہ بجھا مت دینا، پھر فرمایا کہ کل تم ایسے آدمی کو ساتھ لے کر آنا جو تمہارے لیے مؤطا پڑھ کر سنا سکے، عرض کیا کہ میں اسے زبانی پڑھ سکتا ہوں، دوسرے دن آپ کے پاس حاضر ہوکر مؤطا کی قرأت شروع کردی، آپ کو میری قرأت بہت پسند آئی، جب میں ان کی اکتاہٹ محسوس کرکے بند کرنا چاہتا تو فرماتے صاحبزادے اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے تھوڑے ہی دن میں کتاب مؤطا مکمل کرلی، آپ کی وفات تک میں مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر رہا۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

امام شافعی کا امام محمد سے شرف تلمذ

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بغداد جاکر حضرت امام محمد بن حسن شیبانی سے ملاقات کی اور ان کی خدمت عالیہ میں رہ کر ان سے علم فقہ وحدیث کا درس حاصل کرتے رہے، جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد اور ان کے علم وفقہ کے ناشر وترجمان تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام مالک، پھر امام محمد کے استاذ ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح فرمالیا تھا اور اپنا تمام مال واسباب اور کتابیں امام شافعی کو سپرد کردی تھیں، امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر امام محمد کی کتابیں اپنے ساتھ لے کر آیا اور پھر ان کی کتابوں سے خوب علمی استفادہ کرتا رہا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد کا ہے۔

(اولیائے رجال الحدیث، ص ۲۸۴)

امام شافعی کی ذہانت وفراست

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذہین وفطین اور ذکی وعقل مند تھے، حضرت ابوعبید فرماتے ہیں ''مَارَاَیْتُ اَحَداً اَعْقَلُ مِنَ الشَّافِعِیُ،، میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کسی کو عقل مند نہیں دیکھا، اسی طرح یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں ''لَوْجَمَعَتْ اُمَّۃٌ لَوَسَّعَھُمْ عَقْلُہٗ،، اگر پوری امت بھی ایک طرف جمع ہوجائے تو امام شافعی کی عقل سب کو وسعت کریگی۔

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ'' میں نے مکہ معظمہ کے تمام اساتذہ کو امام شافعی رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست، ذکاوت اور علم کی تعریف میں رطب اللسان پایا، امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس علم حاصل کرنے والوں میں امام شافعی سے زیادہ ذہین اور سمجھدار کوئی نہیں آیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چھ سال تھی اس وقت آپ مکتب جایا کرتے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ اولاد بنوہاشم سے تھیں اور بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ دو شخص آپ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور ایک صندوق بطور امانت ان کے سپرد کرکے چلے گیے، چند دنوں کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا وہ صندوق دیجئے جو ہم نے تمہارے پاس رکھا تھا، انہوں نے اس کو دے دیا پھر چند روز کے بعد دوسرا شخص آیا اور صندوق کا مطالبہ کرنے لگا انہوں نے کہا کہ تمہارا ساتھی آیا تھا وہ لے گیا اس نے کہا کہ ہم نے آپ سے یہ نہ کہا تھا کہ جب تک ہم دونوں نہ آئیں صندوق ہرگز نہ دینا انہوں نے کہا ہاں بیشک تم نے کہا تو تھا اس نے کہا پھر آپ نے کیوں دے دیا، حضرت امام شافعی کی والدہ ماجدہ حیران وپریشان ہوگئیں اور سوچنے لگیں اب کیا کیا جائے؟ اتنے میں امام شافعی مدرسے سے تشریف لائے، آپ نے والدہ کو پریشان حال دیکھ کر عرض کیا، کیا بات ہے کہ آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہیں۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا، امام صاحب نے فرمایا فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے، مدعی کہاں ہے؟ تاکہ میں اس کو جواب دوں مدعی بولا میں حاضر ہوں، حضور کیا بات ہے، حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ تمہارا صندوق موجود ہے، اپنے ساتھی کو بلاؤ تاکہ صندوق تم دونوں کی موجودگی میں حوالے کیا جائے وہ شخص حیران ہوا

اورلا جواب ہوکرواپس چلا گیا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے بڑے ذہین وفطین اورحاضر جواب تھےاورکمال علم وفضل کے مالک تھےتو پھر بڑے ہوکر کیوں نہ امام المسلمین بنتے۔(تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۵۵)

ایک رات ہارون رشیداوراس کی بیوی زبیدہ میں کچھ تنازع واقع ہوگیا اتفاق سے زبیدہ کے منہ سے نکل گیا کہ تو دوزخی ہے، ہارون رشید نے یہ لفظ سن کر کہا کہ اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق۔اسی وقت دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگیے، لیکن ہارون رشید کو زبیدہ سے بڑی محبت تھی اس لیے اس کی جدائیگی سے بہت بےچین وبےقرار رہا، اور جملہ علماوفضلا کو جمع کر کے اس مسئلے کا حل چاہا، مگر کسی نے اس کا جواب نہ دیا، سب متفق ہوکر یہی کہا کہ اس بات کا علم خدائے تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی، ایک لڑکا ان علماء کی جماعت سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا اگر اجازت ہوتو میں اس مسئلے کا حل پیش کروں، سب لوگ حیران وپریشان رہ گیے، کہ جب اتنے بڑے بڑے علمائے کرام اس مسئلے کو حل کرنے سے قاصر رہے تو یہ لڑکا کیا جواب دے گا، بہرحال ہارون رشید نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور کہا تم ہی جواب دو اس لڑکے نے کہا کہ آپ کو میری ضرورت ہے یا مجھے آپ کی، ہارون رشید نے کہا کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے یہ سن کر لڑکے نے کہا پھر آپ تخت سے نیچے اتر یئے اور مجھے تخت پر بیٹھ کر جواب دینے دیجئے، اس لیے کہ علما کا رتبہ بلند وبالا ہے، ہارون رشید نے کہا بہت اچھا اور تخت سے نیچے اتر آیا اور وہ لڑکا تخت پر بیٹھ کر ہارون رشید کی طرف مخاطب ہوکر کہا پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیجئے کہ آپ کبھی کسی گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود محض خوف خدا سے باز رہے؟ ہارون رشید نے کہا ہاں واللہ میں ایک مرتبہ اس پر قادر ہونے کے باوجود صرف خوف خدا سے گناہ میں ملوث ہونے سے محفوظ رہا ہوں یہ سن کر لڑکے نے کہا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ دوزخی نہیں ہیں بلکہ جنتی ہیں اس پر تمام علماء پکار اٹھے کہ آپ نے کس دلیل سے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ جنتی ہے، لڑکے نے جواب دیا کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کہ تلاوت کرو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے " وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى،، جس شخص نے گناہ کا قصد کیا اور پھر خدا کے خوف سے باز رہا پس اس کی جگہ جنت ہے، سارے علما یہ سن کر شاباشی دینے لگے، اور کہا کہ جو لڑکپن میں اس قدر فہم وذکاوت کا مالک ہے وہ بڑا ہوکر معلوم نہیں کس درجہ کا عالم ہوگا، یہ لڑکا کون تھا یہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ تھے۔(تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۵۶)

فراست ایک ایسا ملکہ ہے جو ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتا یہ بات کثرت تجربہ اور کمال عمل کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہے اغیار اور صلحائے امت کو اپنے طبقہ کے نیکوکاروں کو پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت ہوتی ہے۔حدیث شریف میں ہے " اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ،، مومن کی فراست کے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہ خوبی امام شافعی رضی اللہ عنہ میں کامل طور سے پائی جاتی تھی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ایک مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوا، امام احمد بن حنبل نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص لوہار ہے، امام شافعی نے فرمایا نہیں، یہ شخص ترکھان ہے پھر وہ شخص نماز سے فارغ ہوکر جانے لگا تو امام احمد بن حنبل نے دریافت کیا تو اس نے بتایا پہلے میں لوہار کا کام کرتا تھا لیکن اب میں لکڑی کا کام کرنے لگا ہوں۔(نزہۃ المجالس، ص ۱۱۷، ج ۲)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مزنی سے روایت کی کہ میرا ایک مسجد میں امام شافعی اور ربیع بن سلیمان کے ساتھ اتفاق ہوا، اچانک ایک شخص آیا اور وہ مسجد میں سوے ہوئے آدمیوں میں کسی کو تلاش کر رہا تھا، امام شافعی نے ربیع بن سلیمان سے فرمایا کہ جاؤ اور اس تلاش کرنے والے سے کہو کیا تمہارا حبشی غلام جس کی آنکھ خراب ہے گم ہوگیا ہے؟ ربیع نے اس شخص سے کہا تو وہ شخص آپ کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا بتائیے میرا غلام کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جیل خانہ میں ہے، وہ شخص قید خانہ پہونچا اور وہاں واقعی غلام اسے مل گیا۔

مزنی نے امام شافعی سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اور تعجب میں ڈال دیا، فرمائیے کہ آپ نے یہ سب باتیں کیسے جان لئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تلاش کرنے والا مسجد میں آیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے شخص کو تلاش کر رہا ہے پھر یہ مسجد کے اس کونے میں گیا جہاں سیاہ فام غلام سوئے ہوئے تھے میں نے بغور دیکھا کہ وہ شخص آنکھوں پر گہری نظر ڈال رہا تھا جس سے میں نے جان لیا کہ اس کا کوئی آنکھ خراب والا حبشی غلام بھاگا ہے، سائل نے ان باتوں کو سن کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ جیل خانے میں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو وہ زنا کرتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جیل میں لے جانے کا سبب ہیں اس لیے میں نے جان لیا کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک تو ضرور ہے جس کی وجہ

سے جیل جانا پڑا تحقیق کے بعد واقعی یہی نکلا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی جہاں علوم وفنون کے جامع تھے وہیں آپ کو علم فراست میں بھی کامل ملکہ حاصل تھا جس کی وجہ سے آدمی کو پہچان لیتے تھے کہ اس کا پیشہ کیا ہے اور یہ کس کام کے لیے آیا ہے اس معاملے میں آپ کی ذات منفرد نظر آتی ہے۔ (سیرت امام شافعی، ص ۷۷)

امام شافعی کا علمی فضل وکمال

امام شافعی کا علمی فضل وکمال احاطۂ بیان سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام جہاں میں بڑے عالم اور امام مشرق ومغرب ہیں، خدائے تبارک وتعالیٰ نے ان کی ذات میں اس قدر علوم وفنون اور قابل فخر باتیں جمع فرمادی ہیں کہ ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی قریشی عالم میں اس قدر علوم وفنون اور خوبیاں جمع نہیں فرمائیں اور تمام دنیا میں ان کا تذکرہ اس قدر رہا کہ ان کے سوا کسی اور کا نہیں ہوا۔

آپ کے علمی فضل وکمال اور خوبیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لَاتَسُبُّوا قُرَيْشاً فَاِنَّ عَالِمَهَا يَمْلَأُ طَبَاقَ الْاَرْضِ عِلْماً،، قریش کو برا نہ کہو کیونکہ قریش کا ایک عالم دنیا کو علم سے بھر دیگا (یعنی اپنے علم کے ذریعہ پوری روئے زمین کو علم سے مالا مال کردیگا، اس حدیث کے مطابق چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قریشی تھے اور اولاد عبدالمطلب بن عبدمناف میں پیدا ہوئے اس لیے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو امام شافعی پر منطبق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی قریشی عالم امام شافعی کے مثل نہیں ہوا۔

شوافع کے علاوہ دوسرے علما متقدمین نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک میں امام شافعی کی طرف اشارہ ہے، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے علم وفضل اور ان کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے '' مَا مَسَّ اَحَدٌ مِحْبَرَةً وَلَا قَلَماً اِلَّا وَلِلشَّافِعِيْ فِيْ عُنُقِهٖ مِنَّةٌ،، جس شخص نے بھی قلم ودوات کا استعمال کیا ہے، اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔

اور آپ کی علمی فوقیت اور برتری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو ابتدائے صدی سوم کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے کہ آپ (۱۵۰ھ) میں پیدا ہوئے اور (۲۰۴ھ) میں انتقال فرمایا، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا علمی کمال اور خدمت دین سب پر عیاں ہیں اور اس سے

صاف ظاہر ہے کہ آپ منصب مجددیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، نیز حدیث کا یہ مضمون بھی آپ کی ذات بابرکت پر صادق آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُبْعَثُ بِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سِنَةٍ رَجُلاً يُقِيْمُ لَهَا اَمْرَ دِيْنِهَا،، اللہ تعالیٰ ہر صدی میں امت کی اصلاح کے لئے ایک ایسی شخصیت (مجدد) کو مبعوث فرماتا ہے جو امت کے لیے دین کے معاملے کو قائم کرے۔

آپ کے تذکرے میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام ثوری نے فرمایا کہ اگر امام شافعی کی عقل نصف مخلوق کی عقل کے ساتھ وزن کی جائے تو امام صاحب کی عقل ان سب پر بھاری ہوگی۔ اور امام احمد بن حنبل جو امام شافعی کے اجلۂ تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث نبوی میں ناسخ ومنسوخ، خاص وعام اور مجمل ومفصل میں کوئی تمیز نہیں تھی، مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے ان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی۔

اکمال میں مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے والد ماجد کی خدمت عالیہ میں عرض گزار ہوا کہ امام شافعی کون بزرگ تھے؟ کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے حق میں اکثر دعائیں کرتے رہتے ہیں، امام احمد بن حنبل نے جواباً ارشاد فرمایا ''كَانَ الشَّافِعِيُّ كَالشَّمْسِ لِلنَّهَارِ وَكَالْعَافِيَةِ لِلنَّاسِ، فَانْظُرْ هَلْ لِهٰذَيْنِ خَلَفٌ اَوْعَنْهُمَا عِوَضٌ،، امام شافعی ایسے ہی ہیں کہ دن کے لئے سورج اور انسان کے لیے صحت تو دیکھو کہ کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہے۔

دوسرے صاحبزادے صالح بن احمد کا بیان ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میرے والد گرامی کی عیادت کے لیے تشریف لائے، والد محترم انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگیے، اور حضرت کو اپنی جگہ بیٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گیے، دیر تک دونوں حضرات کی آپس میں گفتگو ہوتی رہی جب امام شافعی نے جانے کا ارادہ فرمایا، تو والد محترم نے رکاب تھام لیا اور کافی دور تک ساتھ ساتھ پیدل چلے، حضرت امام یحییٰ بن معین کو اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ آپ اتنا بیمار ہونے کے باوجود امام شافعی کے ساتھ پیدل کیوں چلے؟ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا، ابوزکریا! اگر ان کی دوسری رکاب آپ نے تھامی ہوتی تو بہت سے فیوض وبرکات حاصل کر لیتے، جو فقہ حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہوا سے امام

شافعی کے خچر کی دم سونگھنا ہی پڑے گی۔ (اکمال فی اسمائے الرجال،ص ۶۲۵)

امام شافعی کے علمی جلالت کا اعتراف

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت، فہم حدیث اور فضل وکمال کا اعتراف خود ان کے مذہب اور دیگر مذاہب کے علما نے کیا ہے بطور نمونہ علمائے کرام کے اقوال کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور امام یحییٰ بن معین مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور تینوں حضرات کا قصد ہوا کہ امام عبدالرزاق محدث مکہ کے درس میں حاضری دیں لیکن جب یہ حضرات حرم مکہ میں داخل ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ ایک نوجوان سند تدریس پر جلوہ افروز ہے اور اس کے اطراف ونواح لوگوں کا ہجوم ہے، اور وہ نوجوان بڑی دلیری سے یہ اعلان کر رہا تھا کہ اے عراق والو! اے شام والو! اگر کسی حدیث کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو مجھ سے دریافت کرلو، حضرت اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے جو بڑی بے باکی اور جرأت مندی سے کہہ رہا ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی ہیں، امام اسحاق نے امام احمد بن حنبل سے کہا چلو اس نوجوان سے حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مطلب معلوم کرلیں۔ "مَكِّنُوا الطُّيُوْرَ فِيْ اَوْكَارِهِمْ" امام احمد بن حنبل نے فرمایا، اس حدیث کا معنی تو صاف ظاہر ہے کہ رات کے وقت پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے نہ اڑاؤ، لیکن خیر میں تمہارے کہنے سے پوچھ لیتا ہوں، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا مقصود کیا ہے، آپ نے فوراً جواب دیا کہ زمانے جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ جب رات میں ان کو سفر کرنا ہوتا تو وہ پتھر مار کر گھونسلوں سے پرندوں کو اڑایا کرتے تھے، تو اگر وہ پرندہ دائیں جانب اڑتا تو اچھا شگون لیتے تھے کہ یہ سفر مبارک ہوگا اور اگر بائیں جانب اڑتا تو وہ اس سے برا شگون لیتے تھے یعنی یہ سفر کامیاب نہ ہوگا۔

لیکن جب حضور اکرم ﷺ اس فرش گیتی پر جلوہ فگن ہوئے اور آپ نے ان کی یہ نازیبا حرکت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں صرف تم لوگ اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ رکھو اور پرندوں کا اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے دو۔ یہ سن کر امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل

سے کہا اگر ہم نے عراق سے حجاز تک کا سفر محض اس حدیث کی شرح کیلئے کیا ہوتا تو بھی ہمارا سفر کامیاب ہوتا، یہ تینوں حضرات ائمہ کرام نے آپ کی جلالت شان اور فہم حدیث کا اعتراف کیا اور کہا بیشک اس نوجوان کا دعوی سچا ہے۔ (سیرت امام شافعی،ص ۸۴)

تاریخ ابن خلکان میں مشہور نحوی نفطویہ نے فرمایا کہ امام شافعی کی مثال علماء میں ایسی ہے جیسے چودھویں رات کا آسمان کے ستاروں میں ہے، خدا کی قسم وہ تمام علوم کا خزانہ ہیں لوگوں کے سرتاج ہیں، تمام فقہا سے بلندتر ہیں، آپ نے نبی کریم ﷺ کی صحیح روایتوں پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام حمیدی استاذ امام بخاری جب امام شافعی کی کوئی روایت یا قول بیان کرتے تو یوں فرماتے "**حدثنا الفقهاء الامام الشافعي**"، یعنی ہم سے تمام فقہاء کے سردار امام شافعی نے بیان کیا ہے۔

امام ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس نے امام شافعی کے دور میں ان جیسا شخص علم وفصاحت، ثبات واستقامت اور معرفت میں دیکھا ہے تو وہ کذاب ہے کیونکہ ان جیسا اس دور میں کوئی بھی نہ تھا۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہمارے ثقہ اور مشہور علمائے کرام میں ہوتا ہے امام بخاری وامام مسلم نے بھی آپ کی بہت تعریف وتوصیف فرمائی ہے، یہ محدثین شافعی المذہب تھے۔

حضرت عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دوست رکھتا ہوں اگرچہ میں شافعی نہیں ہوں مگر اس وجہ سے کہ میں نے آپ کے جس مقام پر نظر ڈالی تو آپ کو کامل ہی پایا۔

قاضی عیاض نے مدارک میں بیان کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد نے فرمایا "يَا بُنَيَّ اَلْزِمْ هٰذَا الرَّجُلَ فَمَارَاَيْتُ اَبْصَرَمِنْهُ بِاُصُوْلِ الْفِقْهِ اَوْقَالَ بِاُصُوْلِ الْعِلْمِ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَوْلَا الشَّافِعِي مَاعَرَفْتُ الَّذِيْ عَرَفْتَ" اے صاحبزادے تم اس شخص کو لازم کرلو اصول فقہ یا اصول علم میں ان سے بڑھ کر بصیرت رکھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور فرمایا اگر امام شافعی نہ ہوتے تو میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

"اَخْرَجَ اِبْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِيْنِيْ قَالَ عَلَيْكُمْ بِكُتُبِ الشَّافِعِيْ وَقَالَ اِنِّيْ لَا اَتْرُكُ حَرْفًا وَاحِدًا اِلَّا كَتَبْتُهُ فَاِنَّ فِيْهِ مَعْرِفَةً" علی بن مدینی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا لوگو! تم امام

شافعی کی کتابوں کو لازم کرلو، میں نے امام شافعی کے ایک حرف کو بھی نہیں چھوڑا سب کو جمع کررکھا ہے کیونکہ اس میں معرفت الٰہی ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں اس قدر فضائل ومناقب جمع ہیں کہ کسی دوسرے کی ذات میں جمع نہیں ہوئے۔

پہلی چیز آپ کے نسب ومرتبے کی بزرگی ہے اور یہ کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے خاندان نبوت کے چشم وچراغ ہیں، آپ کا مسلک وعقیدہ خواہشات نفس اور بدعتوں سے محفوظ ہے آپ نہایت سخی اور حدیث شریف کی صحت وسقم اور ناسخ ومنسوخ سے بخوبی واقف تھے، کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے حافظ تھے۔ اور مخالفین کی جعل سازی کے کاشف تھے، حضرت امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر اصحاب سلیمان بن داؤد ہاشمی، امام حمیدی، حسین کرابیسی، ابوثور، زعفرانی بویطی، ابوالولذی، حرملہ، ربیع بن سلیمان، حارث بن سریج اور مزنی جیسے بزرگ آپ کے زہد وعلم اور سنت کے اہتمام میں متفق ہیں، آپ کی عظمت شان پر جس قدر علما متفق ہیں کسی دوسرے کے لئے اس قدر اتفاق نہیں دیکھا گیا۔ (سیرت امام شافعی، ص ۹۷/۹۸)

امام شافعی کی تقوی شعاری

امام شافعی رضی اللہ عنہ زہد وتقوی شعاری میں بے مثل ومثال تھے، آپ عابد وزاہد متقی پرہیزگار اور صاحب ولایت وباکرامت بزرگ تھے، آپ کے زہد وورع کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رات کے تین حصہ کرتے تھے، پہلے حصے میں تصنیف وتالیف، دوسرے حصے میں نوافل اور تیسرے حصے میں آرام کرتے تھے۔ اور روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید فرماتے، پوری زندگی میں کبھی کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔ اور نہ کبھی قسم کھائی، سخت سے سخت سردیوں میں بھی کبھی غسل جمعہ نہیں چھوڑا۔ اور سولہ سال تک لگاتار کبھی شکم سیر کھانا تناول نہیں فرمایا فقہا ومحدثین کے علاوہ اپنے دور کے بہت سے مشائخ صوفیہ کی صحبت اٹھائی۔ (اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۷۸)

حضرت ابراہیم بن محمد نے فرمایا ''میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے

نہیں دیکھا، آپ کی نماز مسلم بن خالد زنجی کی نماز کے مشابہ تھی، ان کی مسلم جریج کی نماز کے مماثل، ان کی عطا بن رباح کی نماز کے مانند، ان کی حضرت عبداللہ بن زبیر کی نماز کے مثل اور ان کی حضرت ابوبکر صدیق کی نماز کے مشابہ تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان کی نماز تو بالکل حضور اکرم ﷺ کی نماز کے مشابہ تھی۔

حضرت ابن عبداللہ بلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم زاہدوں، عابدوں اور علمائے کرام کا اور ان کے زہد وفصاحت اور علم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیٹھے تھے کہ اچانک عمر بن نباتہ تشریف لائے اور ہماری گفتگو کے متعلق دریافت کیا تو ہم نے ان کو اپنا موضوع سخن بتایا تو عمر بن نباتہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے محمد بن ادریس شافعی سے بڑھ کر کسی کو بھی پرہیزگار، خوف خدا رکھنے والا، سخی عالم اور بزرگ، کریم وعظیم اور فضل والا نہیں پایا۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ امام حسن بن محمد بن زعفرانی نے فرمایا ''مَا رَأَيْتُ مِثْلَ الشَّافِعِيُّ اَفْضَلَ وَلَا اَكْرَمَ وَلَا اَسْخىٰ وَلَا اَتْقىٰ وَلَا اَعْلَمَ مِنْهُ'' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر افضل، بزرگ، سخی، پرہیزگار اور عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں ''محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں نماز کے اندر ساٹھ قرآن مجید ختم فرماتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۴)

آپ کے بھانجے حضرت ابومحمد اپنی والدہ ماجدہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات تیس مرتبہ یا کم وبیش امام صاحب کے پاس سے گزری، تو ان کے کمرے میں چراغ جل رہا تھا، لیٹے ہوئے کچھ غور وفکر فرماتے پھر باندی کو چراغ لانے کا حکم فرماتے وہ چراغ کو سامنے رکھ دیتی کچھ لکھتے، پھر کہتے لے جاؤ، ابومحمد سے دریافت کیا گیا کہ چراغ واپس کیوں کیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ تاریکی میں دل زیادہ روشن ہوتا ہے نیز فرمایا کہ گفتگو میں جان پیدا کرنے کے لیے خاموشی اور قوت استنباط حاصل کرنے کے لیے غور وفکر کو کام میں لانا چاہیے، نیز یہ بھی فرمایا جس نے چپکے سے اپنے بھائی کو نصیحت کی اسی نے اخلاص کے ساتھ برتاؤ کیا اور جس نے لوگوں کے سامنے نصیحت کی اس نے اپنے بھائی کو بدنام کیا اور اس کے حق میں خیانت کی۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

مذکورہ بالا باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ انتہائی درجہ کے عابد وزاہد تھے، اللہ تعالیٰ کا نہایت خوف رکھنے

والے اور ہمیشہ آخرت کی فکر رکھنے والے تھے۔

امام شافعی کی سخاوت

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ابتدا میں تنگدستی سے زندگی بسر کررہے تھے مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا، اکثر خلیفۂ وقت، امرا وزرا اور اہل ثروت آپ کو تحفہ وتحائف اور نذرانہ وہدایا پیش کرتے رہتے تھے، اور ہر شخص اس کے قبول کرنے میں اصرار کرتا رہتا تھا، ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ کو بطور نذرانہ پچاس ہزار درہم پیش کئے ،مکمل دراہم کو آپ نے فقرا ومساکین یتیموں، بیواؤں اور نادر طلبہ وعلمائے کرام میں تقسیم کردیا، اس پر لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اس قدر کیوں تقسیم فرمارہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے " وَفِـیۡۤ اَمۡـوَالِهِمۡ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ" ان بے بسوں وبیکسوں کے نصیب سے یہ دولت ہاتھ آئی ہے اس لیے میں نے انہی کی نذر کردی، خدائے تعالیٰ نے مجھے ایک ذریعہ بنایا ہے جس کے واسطہ یہ مال ان تک پہونچ گیا اور میں میدان محشر کے حساب سے ڈرتا ہوں کہ ان کے حقوق کا فرض جو مجھ پر ڈالا گیا ہے اس کو میں صحیح طور پر ادا کررہا ہوں یا نہیں۔ (سیرت امام شافعی۔ص ۷۷)

آپ کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑھ کر کسی اور کو سخی نہیں دیکھا، انہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں عید کی شب میں ان کے ساتھ مسجد سے نکلا اور راستے میں محو گفتگو تھا، یہاں تک کہ ان کا مکان آگیا، ایک غلام حاضر خدمت ہوا اور اس نے آپ کو ایک اشرفی کی تھیلی بطور ہدیہ پیش کی اور عرض گزار ہوا کہ میرے آقا آپ کی خدمت عالیہ میں سلام عرض کیا ہے۔ اور اس تھیلی کو قبول کرنے کی گزارش کی ہے، امام شافعی نے وہ تھیلی قبول فرمائی، تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضور میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے جس سے میں بچے کی دیکھ بھال کرسکوں، امام صاحب بے وہ تھیلی اس آدمی کو دے دی اور خالی ہاتھ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

حضرت حمیدی بیان فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دس ہزار سکے رومال میں باندھ کر صنعاء سے مکہ مکرمہ تشریف لارہے تھے، آپ نے شہر مکہ سے باہر ہی خیمہ نصب کروایا، لوگ آپ سے

شرف ملاقات کی خاطر آتے رہے اور آپ نے سب رقم ان کے مابین تقسیم کردی اس کے بعد شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ (ایضاً ۶۲۵)

ایک مرتبہ عید کے موقع پر گھر میں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا، آپ کی اہلیہ نے کہا کہ آپ تو صرف اپنی قوم کے ساتھ صلہ رحمی کرتے رہتے ہیں کل عید کا دن ہے اور گھر میں کوئی سامان نہیں ہے اس لیے کسی سے بطور قرض ہی لیجئے، آپ نے ایک شخص سے ستر دینار قرض لیے، فقرا ومساکین نے آپ کو گھیر لیا، آپ نے ان میں سے پچاس دینار ان لوگوں میں تقسیم کردیئے، بیس دینار لیکر گھر گئے اور ابھی بیوی کو دینے نہ پائے تھے کہ ایک قریشی نے دروازے پر دستک دی آپ فوراً باہر تشریف لائے وہ رو روکر اپنا حال بیان کرنے لگا تو آپ کو رحم آیا اور آپ نے بچے ہوئے دینار کو سامنے رکھ دیا اور فرمایا جو ضرورت ہو لے لو، اس نے مکمل لے لیا اور بولا ابھی تو مجھے اور ضرورت ہے، آپ اہلیہ محترمہ کے پاس پہونچے اور سارا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا یونہی کرتے رہتے ہیں بہر حال رات ہوئی اور خاموشی سے سب لوگ سوگیے۔ صبح جعفر بن یحیٰ نے وزیر ہارون رشید کا ایک قاصد آیا اور بلا کر ساتھ لے گیا، جعفر نے میری خوب تعظیم وتوقیر کی، آپ سے کہا کہ آج رات خواب میں ہاتف غیبی نے مجھے آپ کا واقعہ بتایا ہے لہٰذا میں آپ کے زبانی سننا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سارا واقعہ سنایا جعفر نے ایک ہزار دینار بطور نذرانہ پیش کیا اور اس کے قبول کرنے پر مصر ہوا۔ چنانچہ آپ نے وہ دینار قبول فرمایا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت ہے کہ آپ اپنے بھائی کی تکلیف دور کرنے کی خاطر اپنی پرواہ نہیں کرتے تھے اولاً اس ضرورت مند کی ضرورت پوری فرماتے بعدہ اپنا خیال کرتے تھے جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوا، اس لیے سخاوت کرنے والا ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے اس کے مال واسباب میں اضافہ کے سوا کمی نہیں آتی ہے۔ (سیرت ائمہ اربعہ، ص ۳۳۷)

امام شافعی کے اقوال زریں

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ زبان وادب کے ماہر تھے، فصاحت وبلاغت میں یکتائے روزگار تھے مختصر کلمات میں وعظ ونصیحت کی بہت باتیں بیان فرمادیتے تھے آپ کا کلام اس حدیث پاک کا آئینہ دار تھا" خیر الکلام ماقل ودل،، یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور زیادہ معانی پر دلالت کرے۔

چند اقوال آپ بھی بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سرجانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قَالَ الشَّافِعِیُ، اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهٗ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَجِدْ لَهٗ اَنْ يَدَعَهَا بِقَوْلِ اَحَدٍ“ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث کسی کے قول کی وجہ سے کبھی ترک نہ کی جائے گی۔ (ناظورۃ الحق ص ۲۶، بحوالہ: سیرت ائمہ اربعہ)

”وَكَانَ يَقُوْلُ اِذَا ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ شَيْءٌ لَمْ يَجِدْ لَنَا تَرْكُهٗ“ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ماں باپ پر قربان جب آپ سے کوئی روایت ثابت ہو جائے تو اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (میزان الکبریٰ، ص ۵۰، بحوالہ: سیرت ائمہ اربعہ)

” قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُ، اَلْعِلْمُ جَهْلٌ عِنْدَ اَهْلِ الْجَهْلِ كَمَا اِنَّ الْجَهْلَ جَهْلٌ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ كَفٰى لِلْعِلْمِ فَضِيْلَتُهٗ اِنَّهٗ يَدَّعِيْهِ مَنْ لَيْسَ فِيْهِ وَكَفٰى لِلْجَهْلِ سُوْءٌ بِاَنْ يَتَبَرَاءَ مَنْ هُوَ فِيْهِ وَيَغْضَبُ اِذَا نُسِبَ اِلَيْهِ، علم جاہلوں کے نزدیک جہالت ہے اسی طرح جہل علم والوں کے نزدیک جہالت ہے، علم کے لیے اس کی یہی فضیلت کافی ہے کہ بے علم اس کے مدعی ہیں، جہل کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ جاہل اپنے جہل کے منکر ہیں، اگر ان کو جاہل کہہ دیا جائے تو وہ غصہ میں آجاتے ہیں۔

”قَالَ الْاِمَامُ، مَنْ اِذَا اَرْضَيْتَهٗ قَالَ فِيْكَ مَا لَيْسَ فِيْكَ كَذٰلِكَ اِذَا اَغْضَبْتَهٗ قَالَ فِيْكَ مَا لَيْسَ فِيْكَ،، جو شخص اتحاد و اتفاق کی صورت میں تمہارے صفات کی ایسی تعریف کرے جو تم میں موجود نہ ہوں، تو وہ شخص دشمنی میں تمہارے وہ عیوب بیان کرے گا جو تم میں نہیں ہیں۔

قَالَ الشَّافِعِیُ، مِثْلُ الَّذِيْ يَطْلُبُ الْعِلْمَ بَلَا حُجَّةٍ كَمِثْلِ حَاطِبِ اللَّيْلِ يَحْمِلُ حَزْمَةً حَطَبَ وَفِيْهِ اَفْعِيْ يَلْدَغُهٗ وَهُوَ لَا يَدْرِيْ،، جو شخص بغیر سمجھے بوجھے علم حاصل کر لیتا ہے تو اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات کو لکڑیوں کا گٹھا باندھے اور اس میں کوئی سانپ ہو تو وہ اس کو کاٹے اور وہ نہ جانے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے لیے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے کہ جب مرتبہ یا عہدہ پاتا ہے، تو رشتہ داروں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے اور دوستوں کے ساتھ اجنبیوں کی طرح سلوک کرتا ہے شریف کے ساتھ ہلکے پن سے پیش آتا ہے اور بزرگوں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے۔

مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ بِالْعِلْمِ نَفَعَهٗ سِرُّهٗ، جو کوئی علم کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرے گا، تو علم اس کے باطن کو نفع دیگا۔

قَالَ الْاِمَامُ، مَنْ كَانَ فِيْهِ ثَلَاثُ خِصَالٍ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ مَنْ اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَائْتَمَرَ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَانْتَهٰى حَافَظَ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ،، جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں گی، یقیناً اس کا ایمان کامل ہو جائے گا (۱) نیکی کا حکم دے اور خود عمل کرے (۲) برائی سے روکے اور خود بھی رکے (۳) اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرے یعنی احکام خداوندی کی پابندی کرے (سیرت امام شافعی ص ۵۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم سے انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے، علم فقہ کے حصول سے عزت ملتی ہے، اور علم حدیث سے قوت دلیل اور لغت کی وضاحت سے قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ تین کام بڑے سخت ہیں، تنگی میں سخاوت، خلوت میں تقوی، اور خوف و ہراس کے وقت سچی بات کہنا۔ سخاوت دنیا و آخرت کے عیوب کو چھپانے والی چیز ہے، قلب زبان کی کھیتی ہے اس سے اچھی باتوں کی تخم ریزی کرو، اگر کچھ دانے نہ اگے تو کچھ ضرور اگیں گے، زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ پتھر سے زیادہ سخت، سوئی سے زیادہ دھسنے والی، ایلوے (پھل) سے زیادہ کڑوی، چکی کے پاٹ سے زیادہ پھرنے والی اور نوک سے زیادہ تیز ہوتی ہے اس لیے احتیاط سے بات کیا کرو تاکہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

اور فرماتے ہیں کہ جو شخص دولت و ثروت کے زور اور خود کے گھمنڈ میں علم حاصل کرتا ہے وہ ناکام رہے گا جس نے خاکساری، تنگ دستی اور احترام علم کے ساتھ علم کو طلب کیا یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور علم دین میں مشغول رہنا نفل نماز سے افضل ہے۔ (سیرت امام شافعی ص ۷۵)

قَالَ اِمَامُ الْاَنَامِ، مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ نُوْرَ الْحِكْمَةِ فَعَلَيْهِ بِالْخَلْوَةِ قِلَّةِ الْاَكْلِ وَتَرْكِ مُخَالَطَةِ السُّفَهَاءِ وَبُغْضِ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ لَيْسَ مَعَهُمْ دِيْنٌ وَلَا اَدَبٌ،، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور حکمت اس کے دل پر کھولے وہ خلوت اختیار کرے، کم کھائے اور احمقوں کی صحبت ترک کر دے اور ان علما سے اجتناب کرے جن کے پاس نہ ادب ہے نہ تہذیب ہے۔

قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُ، اَظْلَمُ النَّاسِ لِنَفْسِهٖ مَنْ تَوَاضَعَ مَنْ لَا يُكْرِمُهٗ وَرَغِبَ فِيْ مَوَدَّةِ مَنْ لَا يَنْفَعُهٗ وَقَبِلَ مَدْحَ مَنْ لَا يَعْرِفُهٗ،، اپنے نفس کے لئے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو تواضع سے پیش آتا ہے اس آدمی کے ساتھ جو اس کی عزت نہیں کرتا اور محبت کرنا چاہتا ہے اس آدمی سے جو اس کے

لیے فائدہ مند نہ ہو اور ہر اس آدمی کی تعریف قبول کر لیتا ہے جس کو یہ نہیں جانتا۔

امام شافعی کے شیوخ واساتذہ

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے شیوخ واساتذہ بے شمار ہیں، آپ نے جن مشاہیر شیوخ اور ائمہ دین کی درسگاہ سے علم دین حاصل کیا اور اکتساب فیض کیا، ان میں سے چند ائمہ کرام کے اسمائے گرامی اور ان کے مختصر حالات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ بلند پایہ محدث، ممتاز فقیہ اور امام المدینہ تھے، آپ پر اہل حجاز کو اعتماد و بھروسہ تھا (۹۰ھ) میں پیدا ہوئے اور (۱۷۹ھ) میں وفات پائی، مدینہ منورہ کی قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۲) حضرت فضیل بن عیاض حنفی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیائے کرام اور محدثین عظام میں سے ممتاز تھے، آپ خراسان کے رہنے والے تھے، آپ نے امام اعظم سے فقہ وحدیث اخذ کی کوفہ میں پھر مکہ معظّمہ میں قیام پذیر ہوئے، حضرت اعمش، یحییٰ بن سعید انصاری اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی ہے، تمام محدثین آپ کی علمی جلالت کے معترف تھے، آپ بڑے عابد وزاہد، متقی و پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے، آپ سے امام شافعی نے روایتیں کی ہیں، آپ نے (۱۸۷ھ) میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت سفیان عیینہ ہیں جو حجۃ الاسلام، حافظ الحدیث، عابد وزاہد اور مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، آپ امام اعظم کے شاگردوں میں ہیں، علم حدیث کی تحصیل آپ نے امام اعظم سے کی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور امام سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم حدیث نہ ہوتا، آپ نے ستر حج کیے، سفیان عیینہ خود فرماتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں یہ دعا کرتا ہوں کہ الٰہی اس مقدس مقام میں میرا یہ آخری حج نہ ہو، جب ستر حج مکمل ہو چکے تو مجھے خدا کے حضور سوال کرنے میں شرم آئی پھر دعا نہ کی، اسی سال (۱۹۸ھ) میں ۹۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۴) حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عمر بن دینار، زید بن اسلم، ہشام بن عروہ اور محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہم سے احادیث روایت کی ہے، علم فقہ حضرت امام ملک بن عبد العزیز

فقیہ حرم سے حاصل کی۔ جو تین سال شیخ الحرم رہے، امام شافعی نے ابتداء علم فقہ انہیں سے حاصل کی۔ آپ نے (۱۸۰ھ) میں وفات پائی۔

مذکورہ بالا ان مخصوص اساتذہ کرام کے علاوہ آپ کے اور بہت سے شیوخ واساتذہ ہیں بعض کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت محمد بن علی بن شافع، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القراح، عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی، اسماعیل بن علیہ، ابوحمزہ، حاتم بن اسماعیل المدنی، ابراہیم بن محمد ابو یحییٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد المخزومی، ہشام بن یوسف صنعانی، عبد العزیز بن ابوسلمہ، الماجسون، یحییٰ بن حان، مروانی بن معاویہ الفزاری، محمد بن اسماعیل بن ابی قدیک، ابن ابی سلمہ، داؤد بن عبد الرحمٰن المکی، عبد العزیز بن محمد دراوردی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر ملیکی، عبد اللہ بن موسل المخزومی، ابراہیم بن عبد العزیز، یزید بن ابی محذورہ، عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی داؤد، محمد بن عثمان بن صفوان جمحی، حماد بن زید المصری، محمد بن حسن شیبانی حنفی، عبد اللہ بن نافع المدنی، عبد الکریم بن محمد الجرجانی، مطرف بن مازن، یحییٰ بن ابی حسان تیسنی، محمد بن عمر الواقدی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۳۲۰)

امام شافعی کے تلامذہ اور مختصر تعارف

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی درسگاہ علم سے فیض حاصل کرنے اور علمی تشنگی بجھانے والوں کی صحیح تعداد متعین کرنا دشوار ہے حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کے دروازے پر سات سو سواریاں دیکھی ہیں، لوگ دور دراز مقام سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کرنے آیا کرتے ہیں ان حضرات میں سے چند ممتاز اور مخصوص شاگردوں کے اسما اور مختصر تعارف قارئین کے حوالے کر رہا ہوں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ مشاہیر واکابر آپ سے استفادہ باعث فخر سمجھتے تھے۔

☆ امام احمد بن حنبل کا امام شافعی کے مخصوص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، جنہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مکمل توجہ علم حدیث کی طرف مبذول رکھی۔ آپ نے ماہ ربیع الاول (۲۴۱ھ) میں وفات پائی، تقریباً پندرہ لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، بغداد میں تدفین عمل میں آئی۔

☆حرملہ بن یحییٰ مصری یہ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے، ان سے امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے روایتیں کی ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قلمی مسودات کا ذخیرہ ان کے پاس کافی تھا، آپ کی پیدائش (۱۶۶ھ) میں اور (۲۴۴ھ) میں آپ کا انتقال ہوا۔

☆حضرت امام حمیدی آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبداللہ حمیدی ہے، جو حافظ الحدیث اور امام الفقہ تھے، یہ امام شافعی کے بڑے تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے، آپ بڑے مخیّر تھے، امام بخاری، ذہلی، ابوزرعہ، ابوحاتم اور بشیر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہم سے روایتیں کی ہیں آپ نے (۲۹۱ھ) مکہ معظّمہ کی مقدس سرزمین پر وفات پائی۔

☆حضرت سلیمان بن داؤد یہ امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، خود امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی درسگاہ میں دو شخصوں کو بڑا اعقل مند پایا، ایک احمد بن حنبل اور دوسرے سلیمان بن داؤد ہیں، ان سے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے بواسطہ ہارون جمال روایتیں کی ہیں، آپ نے (۱۲۹ھ) میں سرزمین بغداد میں وفات پائی۔

☆حضرت حسن بن محمد زعفرانی یہ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ زعفرانیہ کے رہنے والے تھے، اکثر امام شافعی کی درسگاہ میں زعفرانی طلبہ ہی زیر تعلیم تھے حضرت یوسف بن عبداللہ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں حسن بن زعفرانی سے زیادہ فصیح اللسان اور لغت کا جاننے والا کوئی نہ تھا، یہ پہلے کوئی فقہ پر عمل کرتے تھے، لیکن پھر مستقل طور پر مسلک شافعی کے تابع رہے، اور آپ سے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہم نے روایتیں کی ہیں، آپ کی وفات (۲۵۹ھ) میں ہوئی۔

حضرت یعقوب بویطی حضرت امام شافعی کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ بہت بڑے ذاکر اور عابد تھے، ہروقت آپ کی زبان مبارک ذکر الٰہی سے ہلتی رہتی تھی، قبل انتقال امام شافعی نے آپ کو مسند امامت کی باگ ڈور سپرد فرمائی، آپ سے ربیع بن سلیمان، یحییٰ بن عثمان وغیرہ نے روایتیں کی ہیں، آپ کو مسئلہ خلق قرآن کے تعلق سے بغداد میں گرفتار کیا گیا، اور لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا، بغداد کے جیل خانے میں ڈال دیا گیا، آپ ہروقت اللہ کے حضور گریہ وزاری اور دعا کرتے ہوئے۔(۲۳۱ھ) میں انتقال فرمایا۔

حضرت ربیع بن سلیمان امام شافعی کے محبوب مخصوص تلامذہ میں سے ہیں جو امام الفقہ تھے اور جامع عمرو بن العاص میں مؤذن تھے اور بڑی خوش الحانی سے اذان دیا کرتے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ربیع نے میری بڑی خدمت کی ہے، آپ ان سے فرماتے کہ اگر علم گھول کر پلانے کی چیز ہوتی تو میں تمہیں ضرور گھول کر پلا دیتا، حضرت ربیع بن سلیمان سے امام شافعی کی کتابوں کی بے حد اشاعت ہوئی، ان سے امام طحاوی اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایتیں کی ہیں، آپ (۱۷۴ھ) میں پیدا ہوئے اور (۲۷۰ھ) میں ۹۶ رسال کی عمر میں انتقال فرمائے۔

حضرت ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی یہ امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں ان سے ابن ماجہ خزیمہ، طحاوی، زکریا ساجی اور ابن ابی حاتم نے روایتیں کی ہیں، آپ کا علم بے حد وسیع تھا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ شیطان سے مناظرہ کرتے تو بھی غالب رہتے، وہ بڑے زاہد و عابد اور دنیا سے کنارہ کش تھے، اگر ان کی نماز با جماعت کسی وجہ سے قضا ہو جاتی تو اس کے عوض میں پچیس نفل نمازیں پڑھتے تھے، آپ مردوں کو خالصا لوجہ اللہ غسل دیتے تھے اور فرماتے تھے یہ اس لیے کرتا ہوں کہ کہیں میرے دل میں سختی نہ پیدا ہو جائے۔

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ یہ بڑے زاہد، عالم، مجتہد، مناظر اور مشکل سے مشکل مسئلہ اور علمی مباحث کو سلجھانے والے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا ''ناصر،، ہے اور اے مزنی! اس مصر کی سرزمین پر تمہارا بلند رتبہ ہوگا۔ ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے جن جن کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا، امام مزنی جب اپنی کتاب ''المختصر،، کے کسی بحث کو لکھ کر فارغ ہوتے تو دو رکعت نماز نفل ادا کرتے، آپ کی تصنیفات بکثرت ہیں ان میں سے چند کے اسماء ملاحظہ فرمائیں۔

جامع الصغیر، جامع الکبیر، المختصر، الترغیب فی العلم، کتاب الوثائق، کتاب العقارب، تاب نہایۃ الاختصار، المنصور، رسائل المعتبرد.

آپ کی پیدائش (۱۷۵ھ) میں ہوئی اور وفات (۲۶۴ھ) میں ہوئی اور آپ مستجاب الدعوات تھے۔(اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۲۸)

مذکورہ بالا حالات زندگی تلامذہ سے اندازہ لگائیں کہ جب شاگردوں کا یہ عالم ہے کہ ہر قسم کے علوم و

فنون کے جامع ہیں تو استاذ کا عالم کیا ہوگا۔

تصنیفات امام شافعی

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس، علمی مباحث استنباط مسائل اور فقہ وافتا کی خدمت میں گزارا، اس کے ساتھ مختلف موضوعات وعنوانات پر گراں قدر تصانیف بھی آپ نے اس امت مرحومہ کو عطا فرمائیں۔

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد میں اختلاف ہے، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی صراحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، آپ کی تصنیفات ایک سو تیرہ ہیں اور علامہ حموی نے آپ کی کتابوں کی مکمل فہرست میں ایک سو تینتالیس سے زیادہ کتابیں بتائی ہیں، ان کتابوں میں سے چند کے اسما ملاحظہ فرمائیں۔

احکام القرآن، اختلاف الحدیث، اختلاف مالک والشافعی، اختلاف عراقین، اختلاف محمد بن الحسن، اختلاف علي وعبدالله بن مسعود، جماع العلم، الکتاب العلل بیان الفرض، صفت الامر والنهي، ابطال الاستحسان، سیر الازاعی، سیر الواقدی، فضائل قریش، مسند امام شافعي، کتاب الام، کتاب الرسالة. (سیرت ائمہ اربعہ۔ص ۳۶۹)

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ان مذکورہ کتابوں میں دو بہت ہی مشہور ومعروف ہیں ایک ”کتاب الرسالۃ“، جو فصاحت وبلاغت کا مجموعہ اور بے حد مشکل کتاب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام مزنی کا بیان ہے کہ ”میں نے امام شافعی سے پانچ سو مرتبہ ”کتاب الرسالۃ“، کو پڑھا، ہر مرتبہ ایک جدید لطف آیا اور عجیب عجیب انکشافات ہوئے۔

ایک مرتبہ امام شافعی سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے عرض کیا کہ میرے لیے کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمادیں جس میں قرآن عظیم کے معانی معتبرہ، احادیث، اجماع اور ناسخ ومنسوخ کا بھی بیان ہو، آپ ان کی طلب پر عین عنفوان شباب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ”الرسالہ“، تصنیف فرمائی، جو بہت سے مقاصد اور متعدد خوبیوں پر مشتمل ہے۔

مسند امام شافعی کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے، یہ کتاب ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنھیں امام

شافعی خود اپنے طلبہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے، امام شافعی کی بعض روایات کو ابو العباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سماع کر کے ان کو کتاب ”الام“، اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا ہے، ابو العباس اصم نے ان تمام روایات کو ایک جا کر کے اس کا نام مسند امام شافعی رکھا۔ (ماہ نامہ جام نور دہلی کا اجتہاد وتقلید نمبر، ص ۱۴۷)

امام حرملہ نے آپ کی ایک تصنیف کو مرتب کیا جس کا نام ”کتاب السنن“، ہے اور امام مزنی نے ایک کتاب تصنیف مرتب کیا جس کا نام ”مبسوط“، رکھا۔

امام اسحٰق راہویہ سے جب دریافت کیا گیا کہ اس قدر کم سنی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی بلند پایہ تصنیف کو کیسے مرتب کیا، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس کم عمری خدائے تبارک وتعالیٰ نے ان کو مکمل عقل ودانائی عطا فرمادی تھی۔ (سیرت امام شافعی، ص ۸۷)

امام شافعی کا طریقۂ اجتہاد

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقرر کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط واستخراج کیا، آپ کے قواعد اجتہاد آپ کی کتاب ”الرسالہ“، میں درج ہیں جن کو بروئے کار لا کر آپ نے اجتہاد فرمایا، اور ان اصول وقواعد کے مطابق آپ نے اپنے فقہ کے جزئیات مدون فرمائے آپ کے یہ اصول وقواعد عملی تھے، محض نظری نہیں تھے، آپ کے ان اصولوں کے عملی ہونے کا بین ثبوت آپ کی مشہور زمانہ کتاب ”الام“، سے فراہم ہوتا ہے جہاں آپ نے اپنے استخراج کردہ مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی درج کئے ہیں اور ساتھ ہی آپ نے اپنے قواعد اجتہاد اور اصول استنباط کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان کو منطبق کر کے ثابت کیا ہے کہ آپ نے یہ مسئلہ کس طرح مستخرج کیا ہے۔

آپ کے قواعد اجتہاد میں سب سے پہلی اصل یہ ہے کہ آپ اولاً مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ میں دیکھتے اور مسئلہ کی بنیاد کتاب اللہ کے ظاہر کو بتاتے اور اس وقت تک نص کے ظاہر میں تاویل سے پرہیز کرتے تھے جب تک نص میں تاویل کے وجوب پر دلیل قائم نہ ہوجائے، کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ پر نظر کرتے تھے اور اپنے نظریہ کی بنیاد سنت رسول پر رکھتے، یہاں تک کہ آپ ایسی خبر واحد کو اختیار

جس میں کوئی راوی منفرد ہو بشرطے کہ وہ منفرد راوی ثقہ ہو صدق میں معروف اور ضبط میں مشہور ہو، امام شافعی کے منہج استنباط اور طریقۂ اجتہاد کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ رسول اللہ کی سنت کو قرآن فہمی کا بنیادی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ سنت رسول سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو سمجھنا ایک امر دشوار ہے، یہ سنت رسول ہی ہے جو قرآن کریم کی تشریح وتفسیر کی منزل میں ہے، قرآن پاک میں صرف احکام عامہ اور قواعد کلیہ بیان کیے گیے ہیں، اب یہ حدیث رسول کا کام ہے کہ وہ ان احکام عامہ اور قواعد کلیہ کی تشریح وتفسیر کرے، یہی حدیث ہے جو قرآن کے عام کو خاص کرتی ہے، مطلق کو مقید کرتی ہے اور مجمل کو بیان کرتی ہے۔

اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ حدیث نبوی کی حفاظت اور اس کے دفاع میں صرف کیا، اور آپ نے خبر واحد کے حجت ہونے پر دلائل قائم فرمائے، امام شافعی کی اسی خدمت حدیث اور دفاع سنت نے اصحاب حدیث کے درمیان ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ کر دیا، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی ''ناصر السنہ،، پڑ گیا، آپ نہ صرف یہ کہ حافظ حدیث تھے بلکہ علل حدیث کی معرفت میں درجہ کمال واجتہاد پر فائز تھے۔

حسن بن محمد زعفرانی نے آپ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا''کَانَ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ رُقُوْداً فَاَیْقَظَهُمُ الشَّافِعِیُ فَتَیَقَّظُوْا،، اصحاب حدیث محو خواب تھے ان کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بیدار کیا تو وہ جاگے۔

امام نووی شافعی ''المجموع،، میں تحریر فرماتے ہیں ''وَمِنْ ذٰلِکَ شِدَّةِ اِجْتِهَادِهٖ فِیْ نُصْرَةِ الْحَدِیْثِ وَاِتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَجَمْعَهٗ فِیْ مَذْهَبِهٖ بَیْنَ اَطْرَافِ الْاَدِلَّةِ مَعَ الْاِتْقَانِ وَالتَّحْقِیْقِ وَالْغَوْصِ التَّامِ عَلٰی الْمَعَانِیْ التَّدْقِیْقِ حَتّٰی لَقَّبَ حِیْنَ قَدِمَ الْعِرَاقَ بِنَاصِرِ الْحَدِیْثِ وَغَلَبَ فِیْ عُرْفِ الْعُلَمَاءِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَالْفُقَهَاءِ الْخُرَاسَانِیِّیْنَ عَلٰی مُتَّبِعِیْ مَذْهَبِهٖ لَقَبَ اَصْحَابَ الْحَدِیْثِ فِی الْقَدِیْمِ وَالْحَدِیْثِ،، (المجموع، ج ۱، ص ۱۰)

امام شافعی کے فضائل ومراتب میں سے آپ کی نصرت حدیث کے سلسلہ میں جد وجہد، آپ کا اتباع سنت اور آپ کا اسے اپنے مذہب میں جمع کرنا دلائل کے ساتھ جو اتقان، تحقیق اور معانی پر غور وفکر پر مبنی ہیں یہاں تک کہ جب آپ عراق میں جلوہ گر ہوئے تو آپ کا لقب ''ناصر الحدیث،، رکھ دیا گیا، علما

متقدمین اور خراسان کے فقہا کے عرف میں آپ کے مذہب کی اتباع کرنے والے حضرات کو اصحاب حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

اہل فقہ، اہل اصول، اہل حدیث اور اہل لغت سب کے سب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی امانت وعدالت، زہد وورع، تقوی اور علو قدر ومنزلت پر متفق ہیں، امام شافعی کی حیات میں ہمیں ان کا ایک خاص وصف ان کی فن مناظرہ میں مہارت بھی نظر آتا ہے، آپ بہترین مناظر تھے، مگر آپ کا مناظرہ کرنا نہ اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لیے تھا اور نہ شہرت وناموری کی خاطر بلکہ آپ ہمیشہ مناظرے میں حق کے طالب ہوا کرتے تھے۔ اور صرف اسی لیے مناظرے کے میدان میں آتے تھے، تاکہ حق واضح ہو جائے، اس سلسلہ میں آپ کا مشہور قول ملاحظہ فرمائیں ''مَا نَاظَرْتُ اَحَداً اِلَّا وَلَمْ اُبَالِیْ یُبَیِّنَ اللّٰهُ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِهٖ اَوْ لِسَانِیْ،، میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے یا میرے مخالف کی زبان سے حق ظاہر فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کو فن مناظرہ میں بڑی قدرت عطا فرمائی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''توالی التاسیس،، میں تحریر فرماتے ہیں'' لَوْاَنَّ الشَّافِعِیَ نَاظَرَ عَلٰی هٰذَا الْعُمُوْدِ الَّذِیْ مِنْ حِجَارَةٍ بِاَنَّهٗ مِنْ خَشَبٍ لَغَلَبَ لِاِقْتِدَارِهٖ عَلٰی الْمُنَاظِرِ،، اگر امام شافعی اس پتھر کے ستون کو لکڑی ثابت کرنے کے لیے مناظرہ فرمائیں تو وہ اپنی قدرت مناظرہ کی وجہ سے غالب آ جائیں گے۔

محمد بن عبد الحکم فرماتے ہیں ''کُنْتُ اِذَا رَأَیْتُ مَنْ یُّنَاظِرُ الشَّافِعِیُ لَرَحِمَهٗ،، تم کسی کو امام شافعی سے مناظرہ کرتے دیکھتے تو اس آدمی پر تم کو رحم آ جاتا۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے درمیان مناظرہ

بیان کیا جاتا ہے کہ تارک صلوٰۃ کے بارے میں حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مابین مناظرہ ہوا، امام شافعی نے فرمایا، اے احمد! کیا تم تارک صلوٰۃ کو کافر قرار دیتے ہو؟ احمد بن حنبل نے کہا جی ہاں، امام شافعی نے فرمایا پھر وہ مسلمان ہونا چاہے تو کیا کرے؟ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،، کی گواہی دے، امام شافعی نے فرمایا وہ تو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ،، کا ہمیشہ قائل ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا تو وہ نماز پڑھنے سے مسلمان ہوگا۔

امام شافعی نے فرمایا"صلوۃ الکافر لایصح ولا یحکم بالاسلام بھا،، کافر کی نماز تو ہوتی ہی نہیں تو پھر اس کی نماز کے ذریعہ اسلام کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ فانقطع احمد وسکت،، اس کے بعد امام احمد بن حنبل خاموش ہوگیے اور سکوت اختیار کرلیا۔

امام شافعی کا وصال

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف سے (۱۵۹ھ) میں بغداد تشریف لے گئے اور دوسال وہاں قیام پذیر رہے پھر مکہ مکرمہ آگئے اور چندروز قیام فرمانے کے بعد (۱۸۹ھ) میں مصر چلے گئے اور وہیں عمر عزیز کا اکثر حصہ گزارا۔ (حلیۃ الاولیا، ج۹ص۶۷)

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے انتقال کے پندرہ روز پیشتر میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ہے اور لوگ آپ کا جنازہ مبارک اٹھارہے ہیں، حضرت ربیع یہ خواب دیکھ کر جاگ پڑے اور صبح ایک معبر سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو اس نے بتایا کہ اس وقت جو زمانہ کا سب سے بڑا عالم اس کا انتقال ہوجائے گا۔ کیونکہ "وعلم آدم الاسماء کلھا،، کے مطابق علم خاصیت حضرت آدم علیہ السلام کی ہے، چنانچہ چند ہی دن گزرے تھے کہ حضرت امام شافعی کا انتقال ہوگیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص۲۵۹)

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو مندرجہ ذیل اشعار گنگناتے ہوئے سنا۔

اِنِّی اَرَیٰ نَفْسِیْ تَشُوْقُ اِلٰی مِصْرَ — وَمِنْ دُوْنِهَا اَرْضُ الْمَهَامَةِ وَالْقَفْرِ

اپنے نفس کو شہر مصر جانے کا مشتاق پاتا ہوں اور اس کے سوا بنجر اور آب وگیاہ وادی ہے

فَوَاللّٰهِ مَاادْرِیْ اللخفض وَالْغِنٰی — اُقَادُ اِلَيْهَا اَمْ اُقَادُ اِلٰی الْقَبْرِ

پس خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں آسودگی اور توانگری کی طرف جارہا ہوں یا قبر کی طرف پہنچایا جارہا ہوں۔

حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ خدا کی قسم ابھی چند دن نہیں گزرے تھے کہ آپ دونوں مقام کی طرف پہونچادئے گیے۔

حضرت امام مزنی سے روایت ہے کہ جب امام شافعی کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کے پاس

موجود تھا، میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ امام شافعی نے جواب دیا کہ دنیا سے روانگی اور احباب سے جدا ہونے کا وقت ہے، موت کا پیالہ پیش ہونے والا ہے اور نتیجۂ اعمال نکلنے والا ہے بہت جلد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوگی، کون جانے میری روح کدھر لے جائے گی۔

حضرت محمد بن عمر رازی فرماتے ہیں کہ آپ ماہ رجب کی آخری تاریخ (۲۰۴ھ) شب جمعہ میں بعد نماز عشاء انتقال فرمائے۔ اور بروز جمعہ بعد نماز عصر تجہیز وتدفین کی رسم ادا کی گئی، اس وقت آپ کی عمر چون سال کی تھی، حضرت سری بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کے قبر مبارک کے سرہانے ایک بڑا کتبہ نصب ہے اس پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"ھذا قبر محمد بن ادریس الشافعی أمین الله،،

آپ کو جدید قاہرہ کے جنوب میں اور قدیم قاہرہ کے مشرق میں تھوڑے فاصلہ پر ایک جگہ قرافتہ الصغری ہے جو جبل مقطم کے پاس ہے وہیں دفن کیا گیا ہے، آپ کا مزار مقدس آج بھی زیارت گاہ خاص وعام ہے اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض وبرکات کا دریا آج بھی رواں ہے۔ (سیرت امام شافعی، ص۵۸)

حالات

حضرت سیدنا

امام احمد بن حنبل

رضی اللہ عنہ

واحمد	بسبق	امر	جعدہ
	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ	۷۷سال

فہرس

جب معتزلوں کی تحریک جوان تھی اوراس کی لپیٹ خلافت عباسیہ کے قصر شاہیں کوجھلسارہی تھی، مامون، متعصم اورواثق باللہ اعتزال کے مبلغ وداعی بن گیے تھے، منطق وفلسفہ کاعقل وشعور پراس طرح غلبہ ہوا کہ " **العقل ھی السلطان** " کے واشگاف نعرہ سے خلافت کی گلی کوچے گونج اٹھے تھے، ہرجگہ بحث ومباحثہ کابازارگرم ہوگیا تھا، اسلام کی تعلیمات میں محض عقلی گھوڑے دوڑائے جانے لگے تھے، فطرتاً لوگ حدیث وسنت سے دوراور بدعت ومحدثات اورطرح طرح کی خرافات سے قریب ہوگئے تھے، ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے محی سنت ، ماحی بدعت حضرت امام امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو پیدافرمایا جنھوں نے نہایت بیبا کی کے ساتھ اعلان حق فرمایا۔کوڑے کھاتے رہے مگرحق گوئی سے مہر بلب نہ ہوئے ،جسم مبارک سے خون رس کر بہتا رہا مگر "القرآن مخلوق" کا قول نہ کیا۔

ہزارخوف ہولیکن زبان ہودل کی رفیق ☆ یہی رہاہےازل سےقلندروں کاطریق

جن کی بڑھتی ہوئی بیتابی وبیبا کی سے ☆ تازہ ہرعہد میں ہےقصۂ فرعون وکلیم

حسب ونسب: آپ کااسم گرامی امام احمد بن حنبل ہے،کنیت ابوعبداللہ اورلقب شیخ الاسلام، امام السنہ ہے، والد ماجد کانام محمد ہے،آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے حضرت امام احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابۃ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن ادس بن اربیعہ بن نزار بن معم بن عدنان بن اُدّ بن اُدَدِ بن الہمیسع بن حمل بن النبت بن قیداد بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام۔(حلیۃ الاولیاء ج۹ رص ۱۶۲)

آپ خالص عربی النسل تھے، خاندانی تعلق قبیلۂ بنی شیبان سے تھاجونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد نزار بن معد بن عدنان سے جاملتا ہے،نزار کے دوصاحبزادے تھےایک مضراوردوسرے ربیعہ، مضر کی نسل پاک سے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اورربیعہ کی نسل سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ خاندان ہمیشہ سے اپنی شجاعت ودلیری اورغیرت وحمیت کے سلسلہ میں مشہورومعروف تھا،آپ

کے دادا "حنبل"، امویوں کے عہدخلافت میں "سرخس" کے گورنراوروالد ماجد "محمد"، ایک بہادرسپاہی تھے، جن کاتیس سال کی عمرمیں انتقال ہوگیا، جب کہ اس وقت امام احمد بن حنبل صرف تین سال کے تھے، پرورش کاسارابوجھ والدہ مالدہ کے سررہا، دنیوی شان وشوکت کے ساتھ علمی اعتبارسے بھی یہ خاندان ممتازآتا تھا اوراس میں متعددعلما،فضلاء، مقررین، شعراء اورماہرین انساب گزرے ہیں۔

(تاریخ بن عساکر، ج۲رص ۲۸ر۲۹)

ولادت باسعادت: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴ھ) میں پیداہوئے ایک روایت کے مطابق ربیع الاول کامہینہ تھااورایک روایت میں ربیع الآخر کامہینہ بتایا جاتا ہے، امام صاحب شکم مادرہی میں تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ "مروَ" سے "بغداد" تشریف لے آئیں اوریہیں امام احمد بن حنبل کی ولادت ہوئی، اورایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ "مروَ" میں پیداہوئے اورشیرخواری کےایام ہی میں بغداد چلے آئے۔(وفیات الاعیان، ج۱رص ۶۴)

تعلیم وتربیت: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کاسلسلہ بچپن ہی سے شروع ہوگیا تھا، چارسال کی عمرمیں قرآن مجید مکمل حفظ کرلیاتھااورحسب ضرورت لغت کے مسائل سیکھنے کے بعدتحریروکتابت کی طرف التفات فرمایا، چنانچہ آپ خودفرماتے ہیں "میں ابھی بالکل بچہ ہی تھاکہ حفظ قرآن سے فراغت ہوگئی اورچودہ سال کی عمرمیں تحریروکتابت کی مشق وتحصیل میں مشغول ہوگیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کی نجابت وشرافت، دیانت وثقاہت اورسعادت ومقبولیت کایہ عالم تھاکہ وہ اپنے ہم نشینوں کے لیے موجب تقلیداوراپنے آباء واجداد کے لیے باعث رشک بن گیے تھے، یہ لوگ اپنے بچوں کے لیے آپ کوبطورنمونہ پیش کرتے تھے، اورکہاکرتے تھے "میں نے اپنے بچوں پراتناخرچ کیا، اسے اتنے استاذوں کے حوالے کیاکہ اسے ادب وتمیزسکھائیں،لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمدنہیں ہوااورامام احمد بن حنبل کودیکھو یہ یتیم لڑکااپنے ادب اورحسن تعامل کے باعث کیسے پسندیدہ اورقابل رشک خصائص کاحامل بن گیا۔

شعوربلوغ کی منزل میں داخل ہوئےتو آپ نے امام اعظم کے شاگردرشید قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ کی درسگاہ کارخ کیا،اورسولہ سال کی عمرمیں طلب حدیث کی طرف متوجہ ہوگیے ، پانچ مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ شرف حاصل کیا، اورحجازی علمامحدثین سے خوب خوب استفادہ کیا، علاوہ ازیں آپ نے کئی

بار بصرہ کا سفر کیا اور وہاں کے علمائے کرام سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ شام، یمن اور کوفہ وغیرہ کا بھی سفر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی تعلیمی سلسلۂ اسفار کے بارے میں تفصیلی خاکہ پیش فرماتے ہیں کہ میں نے (۱۷۹ھ) میں علی بن ہاشم بن یزید سے حدیث رسول سماعت کی، یہ میرے تعلیم حدیث کا ابتدائی سال تھا، اور اسی سال ہشیم بن بشیر سے پہلے سماع کیا، اسی سال عبداللہ بن مبارک آخری بار بغداد آئے ہوئے تھے میں نے ان کی مجلس درس کا رخ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ طرطوس چلے گیے، ان کا انتقال (۱۸۱ھ) میں ہوا، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی اور ہشیم بن بشیر کی درسگاہ میں (۱۸۲ھ) تک زیر تعلیم رہا، اور اسی سال ان کا وصال ہوا، میں نے ان سے ''کتاب الحج،، لکھی جو ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی، نیز ''کتاب القضا،، بعض تفاسیر اور مختصر کتابیں لکھیں، اسی سال تقریباً تین ہزار احادیث جمع کیں اور ہشیم مجھ کو کتاب الجنائز املا کرا رہے تھے کہ اسی درمیان حماد بن زید کے انتقال کی خبر پہونچی، ہشیم کے قبل انتقال میں نے عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد عیسیٰ سے احادیث سماعت کی اور (۱۸۲ھ) میں ''رے،، کے عالم ابو مجاہد علی بن کابلی سے حدیث روایت کی، اسی سال ملک ''رے،، کا سفر کیا، (۱۸۶ھ) میں بصرہ کا پہلا سفر کیا، اور (۱۸۷ھ) میں مکہ مکرمہ سفیان عیینہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا، ہمارے مکہ پہونچنے سے قبل فضیل بن عیاض کا وصال ہو چکا تھا، اسی سال میں نے پہلا حج کیا، ابراہیم بن سعد سے بھی حدیثیں لکھیں اور ان کی اقتدا میں کئی بار نماز ادا کی، (۱۸۶ھ) کے آخر عشرہ میں ''عبادان،، گیا، اسی سال معمر بن سلیمان کے یہاں گیا، (۱۹۸ھ) میں عبدالرزاق کے پاس تھا کہ وہیں سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید قطان کے وصال کی خبر ملی، (۱۹۴ھ) میں بصرہ جا کر سلیمان بن حرب ابو النعمان عازم اور ابو عمر حوضی سے حدیث سماعت کی، اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالمجید کے پاس ''رے،، جاتا، حالانکہ میرے بعض ساتھی گیے، مگر میں نہیں جا سکا، کوفہ گیا تو ایسے مکان میں قیام پذیر ہوا جس میں اینٹ کا تکیہ تھا، وہاں مجھے بخار آ گیا تو والدہ ماجدہ کے پاس واپس چلا آیا، کوفہ کا یہ سفر والدہ ماجدہ کی اجازت کے بغیر ہوا تھا، پانچ مرتبہ بصرہ گیا پہلی مرتبہ ماہ رجب (۱۸۶ھ) میں گیا، اور معتمر بن سلیمان سے حدیث سماعت کی، دوسری مرتبہ (۱۹۰ھ) میں گیا، تیسری مرتبہ (۱۹۴ھ) میں گیا، اس وقت غندر کا وصال ہو

چکا تھا، تو یحییٰ بن سعید کے پاس چھ ماہ قیام کیا، ان کے پاس سے ''واسط،، میں یزید بن ہارون کی خدمت میں پہونچا جب ان کو (یحییٰ) معلوم ہوا کہ یزید بن ہارون کے پاس گیا ہوں تو کہا کہ ''واسط،، میں یزید بن ہارون کے یہاں کیا کریں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل علم میں یزید بن ہارون سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج۱ ص۴۱۶)

امام احمد بن حنبل کے شیوخ واساتذہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کر کے محدثین زمانہ اور فقہائے وقت سے استفادہ کرتے رہے، اس لیے آپ کے شیوخ واساتذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، علامہ ابن جوزی نے آپ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست ترتیب ابجدی کے اعتبار سے تیار کی ہے جو سو سے زیادہ ہیں، جن میں ظاہر ہے کہ آپ کے وہ سبھی شیوخ واساتذہ شامل ہیں جن سے آپ نے یا تو علم فقہ میں استفادہ کیا ہے یا کوئی حدیث حاصل کی ہے، یا کسی حدیث کی روایت کی ہے، ان میں سے چند استاذہ وشیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں!

اسماعیل بن علیہ، ہشیم بن بشیر، حماد بن خالد خیاط، منصور بن سلمہ خزاعی، مظفر بن مدرک، عثمان بن عمر بن فارس، ابو النصر ہاشم بن قاسم، ابو سعید، مولی بن ہاشم، محمد بن یزید واسطی، یزید بن ہارون، واسطی، محمد بن ابو عدی، محمد بن جعفر غندر، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، بشیر بن مفضل، محمد بن ابو بکر برسانی، ابو داؤد طیاسی، روح بن عبادہ، وکیع بن جراح، ابو معاویہ بن ضریر عبداللہ بن نمیر، ابو اسامہ، سفیان بن عیینہ، محیی بن سلیم طائفی، ابراہیم بن سعید زہری، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابو قترہ موسیٰ بن طارق، ولید بن مسلم، ابو مسہر دمشقی، ابو الیمان علی بن عیاش، بشیر بن شعیب بن ابو حمزہ، امام ابو یوسف۔ (تاریخ بغداد، ج۴ ص۴۱۲/۴۱۳)

امام احمد بن حنبل کی امام شافعی سے ملاقات

امام احمد بن حنبل کے استاذہ میں سب سے زیادہ ممتاز اور با کمال شخصیت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے آپ نے ان سے علم فقہ کے علاوہ حدیث اور انساب کا بھی علم حاصل کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب تک بغداد میں قیام پذیر رہے، اس وقت تک آپ ان کے درس سے وابستہ رہے۔

ابن خدکان نے تحریر فرمایا ہے کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے، وہ ان کے ساتھ برابر رہے، یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر چلے گیے اور امام احمد بن حنبل کے تعلق سے امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے اس حال میں نکلا کہ احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔ (وفیات الاعیان ج ا ص ۶۴)

امام احمد کی مجلس درس اور تلامذہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علمی استفادہ کے بعد فیض رسانی کا دور شروع ہوا، آپ (۲۰۴ھ) چالیس سال کی عمر میں مسند تدریس وافتا پر جلوہ افروز ہوئے، اور للّٰہیت، خلوص نیت اور عزم واحتیاط کے ساتھ علوم دینیہ کے فروغ میں لگ گئے، تلامذہ کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے، جو علما سلف کا طرۂ امتیاز رہا ہے، اس لئے شائقین علم حضرت امام کی بارگاہ میں کشاں کشاں آتے رہے اور علمی تشنگی بجھاتے رہے۔

آپ کی بارگاہ بڑی باوقار، سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی، لوگ ہمہ تن گوش رہتے اور مذاق ومزاح کا کوئی کلمہ زبان پر لانے سے پرہیز کرتے، حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف، امام احمد بن حسن شیبانی، یحیی بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے باکمال محدثین وفقہا کے درس میں شریک رہا، لیکن امام احمد کی طرح مجھ پر کسی کی ہیبت ودہشت طاری نہیں ہوئی، ان کی مجلس درس نہایت باوقار اور پرجلال ہوتی تھی، درس میں حاضرین اور شرکاء کا جم غفیر ہوتا تھا، علماے سیر کا بیان ہے کہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس کے قریب تھی ان میں سے پانچ سو کے قریب وہ حضرات تھے جو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ا ص ۳۲۷)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ علم سے فیض یافتہ تلامذہ کی تعداد بکثرت پائی جاتی ہے جن میں عالم اسلام کے طلبہ داخل ہیں، اکابر شیوخ واساتذہ نے بھی آپ سے روایت کی، جن کی ایک مختصر فہرست قارئین کے پیش خدمت ہے۔

حضرت محمد بن ادریس شافعی، وکیع بن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق صنعانی، اسماعیل بن علیہ، علی بن مدینی، معروف کرخی، یہ حضرات آپ کے اکابر اساتذہ میں شامل ہیں، اس کے باوجود بھی

انہوں نے آپ سے روایت کی، مزید برآں دیگر تلامذہ میں سے چند کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

صالح اور عبداللہ یہ دونوں حضرات آپ کے صاحبزادے ہیں اور چچازاد بھائی حنبل بن اسحاق کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، حسن بن صباح بزار، محمد بن اسحاق صاغانی، عباس بن محمد دوری، محمد بن عبیدہ منادی، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم زاری، ابوداؤد سجستانی، ابوبکر الاثرم، ابوبکر سروری، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابی خثیمہ، ابوزرعہ دمشقی، ابراہیم حربی، موسیٰ بن ہارون، عبداللہ بن محمد بغوی، یحیی بن آدم قریشی، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، داؤد محمد بن رافع، محمد بن یحی بن ابی سمینہ، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، شاہین بن سمیدع، جیش بن سندی، ابوبکر سندی، خواتیمی، ابوالقاسم بغوی۔ (مناقب امام احمد ص ۹۰)

امام احمد بن حنبل کا زہد وتقویٰ

اما احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ایک جامع کمالات گونا گوں خوبیوں کے حامل، درویش صفت، متقی وپرہیزگار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے اور دنیا سے بے تعلقی اور بیزاری امام صاحب کا شعار تھا، خورد ونوش اور معاملات زندگی میں سادگی اور کفالت شعاری ہمیشہ مدنظر رکھتے، امراء اور حکام سے نہ نظریں ملاتے اور نہ ان کے تحفہ وتحائف قبول فرماتے۔

حضرت محمد بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کے پاس ایک لاکھ دینار میراث میں پہونچے، انہوں نے ایک ایک ہزار کی تین تھیلیاں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیے اور درخواست کی کہ انہیں قبول فرما کر اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے گا، کیونکہ یہ حلال میراث سے پیش کررہا ہوں، امام احمد بن حنبل نے وہ دینار قبول نہیں فرمایا اور یہ کہکر واپس کردیا مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس بقدر ضرورت خدا کا عطا کیا ہوا مال موجود ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے روانہ ہوا تو میں نے اپنے پیچھے کسی کو احمد بن حنبل سے بڑھ کر متقی وپرہیزگار، زہد وورع والا، فقیہ اور عالم نہیں چھوڑا۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۶)

امام بیہقی نے مزنی سے انہوں نے امام شافعی سے روایت کی ہے، امام شافعی نے ہارون رشید سے

کہا کہ یمن میں ایک قاضی کی ضرورت ہے، ہارون رشید نے کہا کسی کو چن کر یمن کا قاضی بنادیں تو امام شافعی نے امام احمد بن حنبل کا انتخاب کیا جو کہ من جملہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے، اور کہا کہ کیا آپ یمن کی قضاۃ قبول کریں گے؟ تو آپ نے اس عہدے کو سرے سے انکار کردیا اور امام شافعی سے عرض کیا کہ میں آپ کے پاس محض علم کی بنیاد پر آتا ہوں، اور مجھے آپ یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں، اگر علم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں آج کے بعد سے بات نہ کرتا، یہ ہے امام احمد بن حنبل کی دنیا سے بیزاری، اللہ والوں کو کسی دنیوی عہدہ کی لالچ وحرص نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی دنیوی عہدے کے محتاج ہوتے ہیں اگر وہ چاہتے تو دنیا ان کے قدموں میں ہوتی، لیکن اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور یہی تو اللہ والوں کی پہچان ہے۔

آپ کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے چچا اسحاق بن حنبل اور اپنے بیٹوں کی اقتداء میں نماز اس لئے نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی ان سے باتیں کرتے تھے کہ متوکل باللہ کے انعامات کو قبول کر لیتے تھے، بلکہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ تین روز تک بھوکے تھے، کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوا، تو آپ اپنے کسی دوست کے یہاں سے بطور قرض آٹا لیا، اتفاق سے آپ کے اہل خانہ کو اس بات کی اطلاع ہوگئی، تو ان لوگوں نے جلدی سے آٹا گوندھا اور روٹی تیار کرکے آپ کی خدمت میں حاضر کردیا، آپ نے فرمایا اتنی جلدی؟ تو لوگوں نے جواباً کہا کہ صالح کے گھر میں تنور جل رہا تھا، ہم نے وہاں سے روٹی پکالائی ہے، اس پر آپ نے فرمایا اسے فوراً اٹھالو، اور آپ کھانے سے باز رہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ صالح نے چونکہ بادشاہ وقت متوکل باللہ کا انعام قبول کرلیا تھا اس لئے ان کے تعلق سے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔ اور انہیں سے منقول ہے کہ خلیفہ متوکل انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات سے سجا دسترخوان بھیجا کرتا تھا مگر آپ اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرماتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۰ ص ۴۲۰، ۴۲۳)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سماعت فرمائیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اصفہان کے قاضی تھے، وہ دنوں میں روزہ رکھا کرتے اور رات میں نفل پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کے خادم نے آپ کے صاحبزادے کے گھر سے خمیر لے کر خمیر میں روٹی پکائی، اور آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے دریافت کہ اس روٹی میں کیا ملایا ہے جو ایسی پھولی ہے

ہے خادم نے عرض کیا آقا آپ کے صاحبزادے کے باورچی خانے سے میں نے خمیر لے کر آٹے میں ملا دیا ہے، آپ نے فرمایا وہ تو اصفہان کا قاضی ہے یہ روٹی اب میرے کھانے کے قابل نہیں اب میں اس کو کیا کروں گا، پھر فرمایا، جب کوئی سائل آئے تو اس کو دے دینا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دینا کہ اس میں خمیر تو صالح کے گھر کا ملا ہوا ہے اور آٹا احمد بن حنبل کا ہے، اگر تمہارا جی چاہے تو لے لو۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۶۳)

اللہ کے نیک بندے بڑے متقی وپرہیزگار ہوتے ہیں کہ ذرہ برابر شک وشبہ پر بھی احتیاط فرماتے ہیں، پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم جان بوجھ کر جائز چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ جلیل القدر محدث ہیں حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تقریباً سات لاکھ حدیثیں حفظ تھیں اور ایک روایت کے مطابق دس لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ آپ کے قلب مبارک میں محفوظ تھا، آپ کے علم حدیث پر ائمہ محدثین کو اعتماد تھا، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق سخن گو ہیں "اگر آپ کے پاس کوئی صحیح حدیث پہونچ جائے تو مجھے بھی اس سے اطلاع کردیا کرنا خواہ وہ کسی حجازی سے پہنچی ہو یا کسی شامی یا عراقی یا یمنی سے۔

حضرت قاضی ابوالحسین محمد بن یعلی بغدادی ارشاد فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل متفقہ طور پر بغیر چون وچرا امام فی الحدیث ہیں۔ (طبقات حنابلہ، ج ۱ ص ۱۰)

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت کا سب سے بڑا شاہکار آپ کی مسند ہے، جس کا نظری اور عملی جائزہ لینے سے قبل بہتر ومناسب ہوگا، کہ تدوین حدیث کا ایک مختصر تاریخی خاکہ پیش کردوں تا کہ اندازہ ہو جائے کہ آپ نے علم حدیث پر کیسی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔

اولاً صحابہ کرام کا اس معاملے میں اختلاف رہا کہ حدیثیں جمع کی جائیں یا نہیں، لیکن پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ارباب عقل وتدبر کو اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ منبع حدیث کا سرچشمہ ختم ہو جائے گا اور صحابہ اس روئے زمین سے ایک بعد دیگر رخصت ہو جائیں گے، اس لیے

اس سلسلے میں اولاً قدم کوحرکت دینے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو پیغام ارسال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث جمع کرو! مجھے خوف ہے کہ علما وصال کرجائیں گے اورعلم حدیث کا نام ونشان ختم ہوجائے گا،حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پوری سلطنت اسلامیہ کے اہل علم کو پیغام لکھ کربھیجوادیا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تلاش کریں اورجمع کریں۔(ضحیٰ الاسلام۔ج۲،ص۲۰۶)

یہ (۹۹ھ) کی بات ہے جب ذخیرۂ احادیث صفحہ قرطاس پرنہیں تھا بلکہ صحابۂ کرام کے سینوں میں تھا یہ پہلا موقع تھا کہ جب خلیفۃ المومنین نے تدوین حدیث کاحکم صادرفرمایا،مگراختتام کونہ پہونچا کہ آپ کادرمیان میں ہی انتقال ہوگیا۔ اور یہ تمنا آپ کی حیات طیبہ میں پوری نہ ہوسکی۔ مگرجب دورعباسی کا آغاز ہوااوراسی کے ساتھ علوم وفنون کی تدوین میں بھی قابل قدراضافہ ہوا۔ توسب سے پہلے جس علم کی تدوین ہوئی وہ علم حدیث تھا،چنانچہ بہت سے علمائے حدیث نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا،لیکن کتابی شکل وصورت میں ہم تک صرف مؤطاامام مالک پہونچ سکی۔ جسے محدث مدینہ نے فقہی ابواب کے طرز پرمرتب کیا،اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ احادیث کے جمع کرنے کا اولین مقصدخدمت فقہ تھا۔(ایضا،ج۲،ص۲۰۷)

تدوین حدیث کا یہ پہلا مرحلہ تھاجس میں ابواب فقہ کااعتبارکیا گیا تھا،لیکن دوسری صدی ہجری کے اختتام پراکثرائمہ احادیث کارجحان اس بات کی طرف ہوا کہ احادیث نبوی کواقوال صحابہ سے جدا کردیا جائے اوراحادیث رسول کومستقل طور پرجمع کیا جائے،یہ کام (۲۰۰ھ) کے دورمیں ہوا۔ چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی الکوفی،مسدد بن مسرہد بصری،،اسد بن موسیٰ اموی اورنعیم بن حماد خزاعی نے ایک ایک مسند کی ترتیب دی پھرائمہ احادیث نے انہیں کی تقلید کی۔ چنانچہ بہت کم ہی حافظ حدیث ہوں گے جنہوں نے مسانید کی ترتیب نہ دی ہو۔(ضحیٰ الاسلام ج۲،ص۲۰۸)

یہ تدوین حدیث کا دوسرادورتھا،جس میں تدوین حدیث مسانید کے اعتبار سے مرتب ہوئی،عام طور سے اس میں ابواب فقہ کی رعایت نہیں کی جاتی تھی بلکہ یہ کتابیں راوی کے اعتبار سے مرتب ہوتی تھیں،چنانچہ ایک جگہ ایک صحابی کی روایت حدیث ذکرکرنے کے بعد دوسرے صحابی کی روایت شدہ احادیث ذکرکی جاتی تھیں،ترتیب میں صحابی کے مرتبہ ومقام کا خیال رکھا جاتا تھا۔

اسی دوسری مرحلے کی جمع شدہ مسانید میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی مسند ہے جوثقہ راویوں سے روایت کردہ حدیثوں کاایک قیمتی ذخیرہ ہے جوحضرت امام کاعلم حدیث پرگراں قدرعلمی کارنامہ ہے جس کی جمع وتدوین کے لیے آپ نے روئے زمین کاچپہ چپہ اورگوشہ گوشہ چھان مارا،اس کی تحصیل میں آپ نے دوردورمملکت اسلامیہ کے سفرکی صعوبتیں برداشت کیں،آپ کا یہ بیش بہاعلمی سرمایہ آپ کی پوری حیات طیبہ کاعلمی نچوڑ ہے۔

اس مسند کے علاوہ حدیث کے موضوع پرآپ کی اوربھی تصنیفات ہیں جن کوہم انشاء اللہ آگے ذکر کریں گے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جتنی بھی تصنیفات ہیں،خواہ وہ کسی موضوع پرہوں سب کومجموعہ احادیث تصور کیا جاسکتاہے، کیونکہ آپ نے اپنی ہرتحریروتقریرمیں اپنا مطمح نظرحدیث وخبرہی کو بنایا ہے،اس لئے آپ کی ہرتحریر سے آپ کی محدثانہ عظمت بالکل عیاں ہے،آپ کی علمی شخصیت میں یہ اتنا ابھراہواپہلو تھا کہ بعض لوگوں نے آپ کے فقہی پہلوکونظرانداز کرکے آپ کوصرف محدثین کے زمرے میں شمار کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی شان فقاہت اورمقام اجتہاد

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پراحادیث وآثار کاایساغلبہ تھا کہ بعض حضرات آپ کوفقہا میں شمارنہیں کرتے بلکہ صرف محدثین کے زمرے میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ ابن جریرطبری نے آپ کا مذہب من جملہ فقہی مذاہب میں شمارنہیں کرایا بلکہ وہ فرماتے ہیں’’ انما ھو رجلُ حدیثٍ لا رجال فقہ،، وہ صاحب حدیث تھے صاحب فقہ نہیں تھے،اسی طرح مقدسی نے بھی آپ کا فقہا میں نہ شمار کرکے محدثین کی فہرست میں رکھا، اسی طرح ابن قتیبہ نے اپنی کتاب’’المعارف،، اورابن عبدالبر نے اپنی کتاب’’الانتقاء،، میں جہاں ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی) کا تذکرہ کیا ہے امام احمد بن حنبل کونہیں شمار کیا ہے۔(ضحیٰ الاسلام ج۲،ص۲۳۵)

مگرحقیقت یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل جہاں ایک بلند پایہ محدث تھے، وہیں ایک جلیل القدر صاحب مذہب فقیہ اورعظیم الشان مجتہد بھی تھے،حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں’’ امام احمد بن حنبل دس چیزوں میں امام الوقت تھے،حدیث وفقہ،لغت وقرآن،فقروزہد،تقویٰ وپرہیزگاری

اورسنت رسول ﷺ۔(طبقات حنابلہ ج۲،ص۱۰)

حضرت ابوعبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں ''علم چار شخصیتوں پرختم ہوجاتا ہے، (۱) احمد بن حنبل (۲) علی بن مدینی (۳) یحییٰ بن معین (۴) بکر بن شیبہ، مگر احمد بن حنبل ان میں سب سے بڑے فقیہ تھے، بلکہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ امام احمد بن حنبل سفیان ثوری سے زیادہ اعلم وافقہ ہیں، جیسا کہ ابوثور بغدادی نے کہا'' احمد بن حنبل اعلم من الثوری وافقه،، (طبقات حنابلہ، ج۱،ص۱۵)

حضرت عبدالوہاب وراق حضرت احمد بن حنبل کے پایۂ علم اور فقہی منزلت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں'' مَا رَأَیْتُ مِثْلَ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ، فَقَالُوْا لَهُ وَاَیُّ شَیْءٍ بَانَّ لَکَ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ سُئِلَ عَنْ سِتِّیْنَ اَلْفِ مَسْئَلَةٍ فَاَجَابَ فِیْهَاوَحَدَّثَنَا وَاَخْبَرَنَا'' میں نے احمد بن حنبل کے مثل کسی شخص کونہیں دیکھا، لوگوں نے پوچھاوہ کون سی چیز ہے جس کی بناء پر ان کے فضل کا کوں اعتراف کرتے ہو، جواب دیا کہ وہ ایسے شخص تھے کہ جن سے ساٹھ ہزار مسائل پوچھے گئے اوران کے جواب ''حدثنا،،اور''اخبرنا،، سے دیا، یعنی حدیث وخبر کی روشنی میں دیا۔(ابن حنبل، محمد ابوزہرہ،ص۱۹۹)

مگر آپ کی شان فقاہت اورمقام اجتہاد کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل بہتر ہوگا کہ اسلام میں فقہ واجتہاد کا سرسری جائزہ پیش کردیا جائے۔

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ سے وصال فرمانے کے بعد امت مسلمہ کو قرآن اورآپ کے اقوال وافعال ملے جنہیں صحابہ کرام نے دیکھا اوراس پر عمل کیا۔ مگر جوں جوں اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اورنت نئے مسائل پیش آئے، صحابہ کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیا، یہ فطری ضرورت تھی اس سے احتراز غیر ممکن تھا، یہ اجتہاد کا پہلا دورتھا۔

ابن قیم نے اپنی کتاب '' اعلام الموقعین،، میں تحریر کیا ہے ''کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَجْتَهِدُوْنَ فِی النَّوَازِلِ وَیَقِیْسُوْنَ بَعْضَ الْاَحْکَامِ عَلٰی بَعْضٍ وَیَعْتَبِرُوْنَ النَّظِیْرَ بِنَظِیْرٍ،، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد کرتے تھے، اوربعض احکام کوبعض پر قیاس کرتے تھے، ایک نظیر سے دوسری نظیر قائم کرتے تھے۔

احمد امین صحابہ کرام کی شان اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں'' وَظَهَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مَصْدَرٌ اٰخَرُ وَهُوَ اَنَّ کِبَارَ الصَّحَابَةِ وَعُلَمَائِهِمْ کَانَتْ تُعْرِضُ عَلَیْهِمْ بَعْضُ الْاَحْدَاثِ مِمَّنْ لَمْ یَعْرِفُوْا فِیْهَا

نَصًّا مِنْ کِتَابٍ وَلَا حَدِیْثٍ فَیَجْتَهِدُ بِرَایِهٖ، وَیَقُوْلُ فِیْهَا قَوْلًا وَکَانَ هٰذَا الْقَوْلُ فِیْهَا بَعْدَ یُعَدُّ مُسْتَنِدًا مِنْ مُسْتَنِدَاتِ التَّشْرِیْعِ لِاَنَّهٗ صَدَرَ عَنْ صَحَابِیٍّ کَبِیْرٍ عَاشَرَ النَّبِیُّ زَمَنًا طَوِیْلًا وَعَرَفَ مَنَاحِیَ الشَّرِیْعَةِ وَمَجْرَاهَا'' زمانہ رسالت کے بعد قرآن وحدیث کے علاوہ شریعت کا ایک دوسرا ماخذ معرض وجود میں آیا اور یہ تھا کہ صحابہ کرام میں سے بڑے علما کے سامنے نئے مسائل پیش کئے جاتے توجس میں کوئی نص نہیں ملتی توصحابہ کرام اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے، جو بعد میں شریعت کے ماخذ میں سے ایک ماخذ شمار کیا جاتا، کیونکہ یہ حکم کسی ایسے بڑے صحابی سے صادر ہوا ہوتا جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عرصہ دراز گزارا ہواورشریعت کے مصدر وماخذ کوقاعدے سے پہچانا ہو۔(ضحیٰ الاسلام ،ج۲،ص۱۵۷)

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تعلق سے مروی ہے کہ آپ سے ایک باراس عورت کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جس کا شوہر مرگیا ہو، اوراس کا مہر متعین نہ ہوتو آپ نے جواب دینے سے انکار کردیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کواس مسئلہ میں فیصلہ کرتے ہوئے نہیں پایا، مگر جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے اپنی اجتہادی رائے سے فتویٰ دیا کہ ایسی عورت کا مہر بلا کسی کمی اور زیادتی کے مہر مثل ہے، اسے عدت بھی گزارنی ہوگی اوروہ ترکہ کا حقدار بھی ہوگی۔

اس پر حضرت معقل بن یسار کھڑے ہوئے اورشہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوایسی عورت کے بارے میں اسی طرح فیصلہ صادر فرماتے ہوئے سنا ہے یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اتنا خوش ہوئے کہ اتنی خوشی انہیں اسلام لانے کے بعد نہیں ہوئی۔

پھر صحابہ کے بعد تابعین کرام کا دورآیا جس میں پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ اورنت نئے مسائل پیش آئے، اس لیے جہاں تابعین کرام کے لیے قرآن وحدیث کے علاوہ صحابہ کے فتاوی قابل نمونہ عمل بنے وہیں اجتہاد سے بھی چھٹکارا نہ مل سکا بلکہ زمانے کی نزاکت کے پیش نظر اجتہاد کا دروازہ وسیع ہوگیا۔

پھر تابعین کے بعد تبع تابعین کا دورآیا، جس میں نت نئے مسائل اوربڑھ گیے، کیونکہ اسلام میں نئی نئی قوموں کے دخول اورنئے نئے امور کے اندراج نے علمائے کرام کواجتہاد پر مجبور کردیا۔ پھر اجتہاد وتقلید کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اسلام میں چار مستقل مذاہب رونما ہوئے جن میں ہرکوئی امام کسی نہ کسی کا جزوی طور پر ہی صحیح مقلد رہا ہے، مثلاً فقہا عراق حضرت عبداللہ بن مسعود کے مقلد رہے، جیسا کہ امام

اعظم کی فقہ سے عیاں ہے اور اسی طرح فقہائے مدینہ حضرت عبداللہ بن عباس کے مقلد رہے جیسا کہ امام مالک کی فقہ کے اوراق شاہد ہیں۔

غرض یہ کہ ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں بلکہ سنت صحابہ اور نزاکت زمانہ کی فطری ضرورت کے عکاس تھے، ان اماموں کی تقلید کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے براہ راست مقلد تھے، پھر تابعین نے صحابہ کے اجتہادی فتووں میں ان کی تقلید کی، اسی طرح تبع تابعین نے تابعین کرام کی اقتداء کی، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ کے مستقل مذاہب معرض وجود میں آئے، مگر خیر القرون قرنی ثم الذی یلیہ، کے تناظر میں دائرہ اجتہاد سمٹتا گیا، اور تقلید کے دروازے ہر کسی کے لیے کھلتے گئے تاکہ نظام اسلام درہم برہم نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل کے اصول اجتہاد واستنباط

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ چار مشہور ائمہ اسلام میں سے چوتھے امام کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں، اور اصول اجتہاد واستنباط میں اعلیٰ قابلیت کے حامل تھے، آپ کے اجتہادی مسائل پر چوتھی صدی ہجری سے اب تک مسلمانوں کی ایک جماعت عمل پیرا ہے جو حنبلی کہلاتی ہے۔

ابن قیم نے آپ کے اجتہاد واستنباط کے تعلق سے فقہی پانچ اصول بیان کیا ہے۔ اول: نصوص قطعیہ، نص کی موجودگی میں کسی کے قول کو قبول نہیں کرتے۔ ثانی: صحابہ کرام کے فتاوی۔ جب صحابہ کا قول مل جاتا ہے اور اس کے مقابل کسی دوسرے کا قول نہیں ہے تو اسی پر عمل کرتے، اور دوسرے عمل، رائے اور قیاس کو ترک کردیتے۔ ثالث: جب صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوتے، تو ان میں سے جو قول کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہوتا تھا تو اسے قبول کرتے اور اگر مختلف اقوال میں ترجیحی پہلو نظر نہیں آتا تو اختلاف بیان کردیتے اور کسی قول کو ترجیح نہیں دیتے۔ رابع: جب تینوں مذکورہ اصول میں کوئی صراحت نہیں ملتی تو حدیث مرسل، حدیث ضعیف کو لیتے اور قیاس کو چھوڑ دیتے۔ خامس: جب کسی مسئلہ میں نص، قول صحابی اور مرسل وضعیف حدیث نہیں تو ایسی صورت میں قیاس پر عمل کرتے تھے۔

لیکن ہم یہاں قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ کی شان اجتہاد کا پہلو واضح ہوجائے اور ان لوگوں کی تردید بھی ہوجائے جو یہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل قیاس سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ صرف آپ

حدیث واخبار پر اعتماد کرتے ہیں گویا قیاس دین میں کوئی بدعت ہے جو امام کی سلفیت کے خلاف ہے جب کہ قیاس زمانۂ صحابہ ہی سے اسلام کے اہم اصول استنباط میں شمار کیا گیا ہے۔

”رَوٰی خِلَالٌ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ سَأَلْتُ الشَّافِعِیَّ عَنِ الْقِیَاسِ فَقَالَ ”اِنَّمَا یُصَارُ اِلَیْهِ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ اَوْ هٰذَا مَعْنَاهُ“ خلال نے امام احمد سے روایت کی انہوں نے حضرت امام شافعی سے قیاس کے تعلق سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ”ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جاتا ہے (ابن حنبل ص ۲۷۳)

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ ابن قیم نے امام صاحب کے اصول استنباط میں قیاس کا ذکر کیا ہے، بلکہ یہی حنابلہ موقف بھی ہے کہ امام صاحب سخت ضرورت کے پیش نظر قیاس کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ قیاس سے بالکل بے نیاز تھے اگر ایسا ہوتا تو حنابلہ کی کتابوں میں قیاس کے انبار نہ ملتے۔

ابوزہرہ فقہ حنبلی میں قیاس کے وجود کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں ”امام احمد بن حنبل کے قیاس سے کام لینے کی وجہ سے فقہ حنبلی میں قیاس کو خاص مقام حاصل ہے، بلکہ حنبلی فقہا امام صاحب سے زیادہ قیاس سے کام لینے کے عادی رہے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس بات پر انہیں زمانہ کی ضروریات نے مجبور کردیا لوگوں کے حادثات اور مسائل جیسے جیسے گوناگوں شکل اختیار کرتے گیے فقہائے حنابلہ اس پر مجبور ہوتے گیے کہ فتاوی صحابہ اور امور منصوص پر قیاس کریں، اور فتوی دیں۔ وہ مجبور ہوگئے کہ اپنے امام کے قول سے تخریج کریں اور یہ کام بغیر قیاس کے ممکن نہ تھا، لہٰذا اسی طریقے پر چلے اور انہوں نے اجتہاد بھی کیا اور استنباط سے بھی کام لیا۔

اسی ضرورت کے پیش نظر علمائے حنابلہ اصول فقہ پر متعدد کتابیں لکھیں اور اس علم کے قواعد واصول مرتب کرنے اور ان کی توضیح وتشریح کرنے میں کافی جدوجہد کی اور خصوصیت کے ساتھ قیاس کے تعلق سے قلم اٹھاکر یہ واضح کردیا کہ قیاس بھی اصول فقہ کا بنیادی رکن ہے اسے نظر انداز نہ کیا جائے (ابن حنبل ص ۱۹۹)

امام احمد بن حنبل کی شخصیت علم وبصیرت کی روشنی میں

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور عظمت شان کے تعلق سے آپ کے ہم عصر علماء ومحدثین نے مختلف انداز میں مدح وسرائی اور تعریف وتوصیف کی ہے اب چند اقوال بطور نمونہ پیش ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے بغداد میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ عابد وزاہد، متقی و پرہیزگار، عالم و فاضل اور فقیہ و محدث کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت امام ہلال بن علاء نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان چار شخصوں کو پیدا فرما کر امت محمدیہ پر بڑا احسان فرمایا۔ ایک امام شافعی کہ احادیث رسول اور فقہ کو صحیح طریقے پر سمجھا، پھر اس کے مجمل و مفسر، خاص و عام اور ناسخ و منسوخ کو بتایا۔ دوسرے ابو عبید، غریب احادیث سے آگاہی بخشی اور نادرات کی تفسیر و توضیح فرمائی۔ تیسرے یحییٰ بن معین، جھوٹی احادیث سے لوگوں کو آگاہ کیا اور صحیح روایتوں کو معیار مقرر فرما کر فن حدیث کو مجلی فرمایا۔ چوتھے احمد بن حنبل، ابتلا شدیدہ کے وقت ثبات قدمی اور استقامت کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اتباع سنت کو مستحکم کیا۔ اگر یہ چار ہستیاں نہ ہوتیں تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔

حضرت ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی نے فرمایا کہ ”دنیا میں پانچ شخص ایسے ہوئے جنہوں نے پانچ مواقع پر بے نظیر ہمت نفس اور قربانی کا ثبوت دیا، ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل روہ کے مقابلے میں، دوسرے عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنی ساعدہ ثقیفہ کے موقع پر، تیسرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی محصوری کے زمانے میں، چوتھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر، پانچویں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خلق القرآن کے مسئلہ میں۔

حضرت قتیبہ استاذ امام بخاری و امام مسلم فرماتے ہیں کہ ”سفیان ثوری نے انتقال کیا تو تقویٰ مر گیا۔ امام شافعی نے وفات کی تو سنت پژمردہ ہوگئی۔ اور امام احمد بن حنبل کی موت کے بعد اصل دین کے مرنے اور بدعت کے شائع ہونے کا خدشہ ہوا۔ ایک دوسری روایت قتیبہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ احمد بن حنبل نے اس امت میں نیابت نبوت کے فرائض انجام دیئے یعنی ایسا صبر کیا جو نبیوں کا طریقہ تھا۔

حضرت ابو عمر بن النخاس نے ایک دن امام احمد بن حنبل کا ذکر کیا تو فرمایا اللہ ان پر رحم کرے، دین پر کیسے ثابت قدم رہے، اور ان کے اوصاف صالحین صحابہ اور تابعین سے کتنے ملتے جلتے تھے، دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ٹھکرا دیا اور اسی طرح دین ایک نئی صورت میں ان کے روبرو کیا گیا، تو اسے بھی قبول نہ کیا اور قدیم و اصلی دین پر قائم رہے۔ رازی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا اس کے بعد یہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا ایک

گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا نہ کوئی اس کو ذلیل کر سکتا ہے اور نہ نقصان پہونچا سکتا ہے، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ پھر کہا کہ عبداللہ بن مبارک اور احمد بن حنبل جو اہل حدیث ہیں اسی جماعت سے ہیں۔

حضرت اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ”احمد بن حنبل اللہ اور بندے کے درمیان حجت ہیں، مجھے جب کسی مسئلہ میں احمد بن حنبل کی رائے معلوم ہو جاتی تو میں اس پر بلا تامل عمل کرتا، پھر فرمایا! ابو عبداللہ احمد بن حنبل کا کون مقابلہ کر سکتا ہے ان میں تو ایسی خوبیاں تھیں جو میں کسی عالم میں نہیں پاتا ہوں محدث، عالم، صاحب ورع اور زاہد سب کچھ وہ تھے۔ (سیرت ائمہ اربعہ، ص ۵۴۸)

تصنیفات امام احمد بن حنبل

جو کتابیں آپ کی حیات میں منظر عام پر آئیں وہ احادیث و آثار اور رد فرق باطلہ پر مشتمل تھیں۔ ان میں سے چند کتابوں کے اسماء پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں: کتاب المسند، المناسک الکبیر، المناسک لصغیر، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب الزھد، کتاب المقدم والمؤخر فی کتاب اللہ، کتاب فضائل الصحابۃ، کتاب جوابات القرآن، کتاب حدیث شعبہ، کتاب الردعلی الجھمیۃ، کتاب الرد علی الزنادقہ. (مناقب امام احمد، ص ۱۵۱)

ان مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے فتاوی اور مسائل بھی کتابی شکل میں موجود ہیں۔

مسند امام احمد

یوں تو امام صاحب کی تالیفات بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن ان کی تالفات میں اہم علمی کارنامہ اور بہت بڑا محدثانہ شاہکار مشہور و مقبول ترین کتاب آپ کی مسند ہے جو دوسری کتابوں کے اعتبار سے عظیم مرتبہ کی حامل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”مسند امام احمد اگرچہ خود امام صاحب کی تصنیف اور آپ ہی کی تحریر کی ہوئی ہے لیکن اس میں بہت سے زیادات ان کے صاحبزادے عبداللہ کے ہیں۔ اور بعض زیادات ابوبکر قطیعی کے بھی ہیں۔ جو اس کتاب کو ان کے صاحبزادے سے روایت کرتے ہیں یہ کتاب مستطاب اٹھارہ مسندوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسند عشرہ مبشرہ (۲) مسند اہل بیت نبوی (۳) مسند ابن مسعود (۴) مسند عبداللہ بن عمر (۵)

مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص وابی رمثہ (۶) مسند عبداللہ بن عباس (۷) مسند ابی ہریرہ (۸) مسند انس بن مالک (۹) مسند ابی سعید خذری (۱۰) مسند جابر بن عبداللہ انصاری (۱۱) مسند حضرت عباس وابنائے عباس (۱۲) مسند مکیاں (۱۳) مسند مدنیاں (۱۴) مسند کوفیاں (۱۵) مسند بصریاں (۱۶) مسند شامیاں (۱۷) مسند انصار (۱۸) مسند عائشہ۔

اور تمام کتابوں کو ایک سو بہتر اجزا پر تقسیم کیا ہے یہ تقسیم حسن بن علی ابن المذہب کی ہے جو قطیعی سے اس کتاب کو روایت کرتے ہیں۔

حافظ شمس الدین جزری تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد نے مسند کو مختلف اوراق میں لکھا ہے اور مختلف اوراق میں پھیلا رکھا تھا اس کی مکمل ترتیب وتہذیب سے پہلے انتقال ہو گیا، یہ کتاب اسی حال میں رہ گئی لیکن ان کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ اس کی ترتیب میں منہمک ہوئے، مگر اس میں بہت خطائیں ان سے ظاہر ہوئیں، مدینہ والوں کو شامیوں اور اہل شام کو اہل مدینہ میں جمع کر دیا ہے، چنانچہ بعض حفاظ حدیث متقدمین نے اسی ترتیب پر رکھا۔ اور محدثین اصفہان نے بترتیب ابواب مرتب کیا، لیکن وہ نسخہ نظر نہیں آتا، حافظ ناصر الدین بن زریق نے بھی اسی ترتیب ابواب پر مرتب کیا تھا، لیکن یہ بھی نسخہ تیمور کے حادثہ میں مفقود ہو گیا، حافظ ابوبکر بن محبّ الدین نے اس کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے۔

حافظ ابوالحسن ہیثمی نے ان احادیث کو جو امام احمد بن حنبل کی مسند میں صحاح ستہ کی حدیثوں سے زائد ہیں علیحدہ کر کے ترتیب ابواب پر مشتمل کیا ہے۔ (بستان المحدثین اردو، ص ۵۲)

جب امام صاحب اس مسودے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اپنی تمام اولاد کو جمع فرمایا اور ان کو یہ مسند سنا کر فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے جمع کیا ہے اور سات لاکھ پچاس ہزار روایتوں سے اخذ کیا ہے اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں سے کسی حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو وہ اپنا مرجع اور معیار اس کتاب کو بنائیں، اگر اس کتاب میں اس کی اصل پائیں تو فیہا ورنہ اس کو غیر معتبر خیال کریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہی احادیث ہیں جو درجۂ شہرت یا تواتر کو نہیں پہونچیں، ورنہ ایسی احادیث مشہورہ بہت ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔ (بستان المحدثین، ص ۵۳)

امام احمد بن حنبل کی عزیمت مسئلہ خلق قرآن میں

بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا وہ جعد بن درہم تھا جو عہد اموی کا ایک فرد تھا، جس کو عیدالاضحیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عبداللہ القسری نے اس جرم کے پاداش میں قتل کر دیا تھا، مگر اس کی فکر عربی معاشرے میں پلتی پڑھتی رہی۔ پھر جہم بن صفوان بھی صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا، صفت کلام کا بھی انکار کرتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ قرآن مجید قدیم نہیں مخلوق ہے اس کے بہت سے عقائد باطل تھے، جس کی بنا پر امام اعظم ابوحنیفہ نے اس سے مناظرہ فرمایا۔ اس کے پاس تو دلائل تھے نہیں صرف ظن وتخمین اور تاویلات فاسدہ تھیں، ضد وعناد پر قائم رہا، تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" اخرج عنی یا کافر،، اے کافر میرے پاس سے نکل جا۔ پھر بعدہ اس کو مروان بن محمد کے دور حکومت میں سیاسی اسباب کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔

پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا، انہوں نے بھی صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا اور ان کی یہ تحریک ہارون رشید کے دور ہی سے شروع ہو گئی تھی، لیکن وہ اس سے متاثر نہیں ہوا، مصری علما میں بشر بن غیاث نامی ایک شخص تھا جو معتزلہ کی طرف مائل ہو گیا تھا، اور یہ امام ابویوسف کے شاگردوں میں سے تھا۔ امام ابویوسف نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا، تو آپ نے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ جب بشر بن غیاث کے عقائد کا علم ہارون رشید کو ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ وہ مجھے مل گیا تو اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ لیکن ہارون رشید کے دور تک روپوش رہا، جب مامون، معتصم اور واثق کا زمانہ آیا تو اس دور میں "خلق قرآن،، کا مسئلہ ابھر کے سامنے آگیا اور باضابطہ اس کی ترویج واشاعت میں سرکاری تعاون حاصل ہوا۔ مامون نے دیگر ممالک سے فلسفہ ومنطق کی کتابیں جمع کیں اور ان کا ترجمہ کرا کر خوب شائع کیا، جس کی وجہ سے طرح طرح کے شک وشبہات رونما ہونے لگے اور علماء محدثین ان کا دفاع کرتے رہے، "فتنۂ خلق قرآن،، کا اصل موجد قاضی داؤد تھا جو اپنی قابلیت ولیاقت کی وجہ سے مامون کے دل ودماغ پر چھا گیا تھا کہ اس نے اس کو اپنا مشیر خاص بنالیا تھا اور تمام احکامات اسی کے اشارے پر دیئے جاتے تھے، اور مامون دوسرے علمائے کرام کی گفتگو سننے کا روادار نہیں تھا، جس کی پاداش میں خلیفہ مامون نے اس کو مستقل تحریک کی صورت میں جاری رکھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی ''تاریخ الخلفا،، میں تحریر فرماتے ہیں'' (۲۱۲ھ) میں مامون نے اعلان کیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے جو شخص قرآن کریم کو مخلوق تسلیم نہیں کریگا، اسے سخت سے سخت سزادی جائے گی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان شامل کیا کہ حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، ان عقائد کی اشاعت کی وجہ سے لوگوں میں نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور قریب تھا کہ شہر میں ایک فتنہ برپا ہو جائے اس ماحول کے پیش نظر مامون اپنے فاسد ارادے میں کامیاب نہیں ہوا۔ آخر کار اسے اپنے ان عقائد کی عدم قبولیت پر صبر کرنا پڑا۔

(۲۱۵ھ)'' میں مامون جنگ کے ارادے سے سرزمین روم کا سفر کیا۔ اور رومی سلطنت کے قلعہ جات ''قرہ عنوہ،، اور'' ماجدہ،، فتح کرلیا، پھر وہاں سے دمشق روانہ ہوا۔ اور وہاں ایک سال تک قیام پذیر رہا۔ اور (۲۱۶ھ) میں پھر روم پر حملہ آور ہوا، اس مرتبہ بہت سے شہر فتح کرنے کے بعد دمشق واپس آ گیا پھر مصر روانہ ہوا۔ مامون عباسی حکمراں میں پہلا حکمراں ہے جو مصر میں داخل ہوا۔ مصر سے (۲۱۷ھ) میں پھر دمشق آیا پھر وہاں سے روم کی طرف روانہ ہوا۔ (تاریخ الخلفاء اردو، ص ۴۲۳)

(۲۱۸ھ) میں مامون نے ''عقیدۂ خلق قرآن،، کے بارے میں لوگوں کی آزمائش کرنی چاہی کہ لوگوں نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے نائب سلطنت بغداد اسحاق بن ابراہیم کے پاس علما بغداد کے بارے میں لکھا کہ قرآن مجید مخلوق ہے اس کے بارے میں علما بغداد کی رائے طلب کی جائے اور مجھے اس کی اطلاع دی جائے۔

اسحاق بن ابراہیم نے علما اور محدثین کی ایک جماعت جمع کر کے ان کے سامنے مامون کا خط پڑھا جس میں یہ حضرات حاضر تھے، حضرت امام احمد بن حنبل، بشر بن ابو ولید کندی، ابوحسان زیادی، علی بن ابی مقاتل، فضل عالم، عبیداللہ بن عمر قواریری، علی بن جعم، سجادہ، ذیال بن ہثیم، قتیبہ بن سعید، سعدویہ واسطی، اسحاق بن ابی اسرائیل، ابن الہرس، ابن عنیہ الاکبر، محمد بن نوح عجلی، یحییٰ بن عبدالرحمٰن عمری، ابونصر تمار، ابومعمر قطیعی، محمد بن حاتم بن یمون وغیرہم۔

خط سن کر حاضرین نے جواب دئے، لیکن ان جوابات سے انکار واقرار پتہ نہیں چلتا تھا، اس لیے اسحاق نے فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا، سب سے پہلے بشر بن ابو ولید کندی سے دریافت کیا کہ مسئلہ مذکورہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب دیا کہ مجھے تو مدتوں سے امیر المومنین کے بارے میں معلوم ہے

کہ وہ اسی عقیدہ کے حامل ہیں، اسحاق نے کہا کہ تم اس بارے میں کیا رائے پیش کرتے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس نے کہا میں یہ دریافت نہیں کررہا ہوں، بلکہ یہ بتاؤ کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم سے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا، میرے اور امیر المومنین کے مابین یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ میں اب اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرونگا۔

اس کے بعد علی بن ابی مقاتل کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ تم اس سلسلہ میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور امیر المومنین اس بارے میں جو بھی حکم صادر کریں ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ ابوحسان زیادی نے بھی کچھ اسی قسم کا جواب دیا، اس کے بعد اسحاق نے احمد بن حنبل سے دریافت کیا آپ کا کیا کہنا ہے اس مسئلہ میں؟ انہوں نے فرمایا، قرآن کلام اللہ ہے، اس نے کہا یہ بتائیے کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا وہ اللہ کا کلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا، اسی طرح بقیہ حضرات کا جائزہ لیا اور سب کے جوابات لکھ لیے۔

ابن البکاء الاکبر نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ وہ مجعول اور محدث ہے اس کے بارے میں نص وارد ہے، اسحاق نے کہا جو چیز مجعول ہے وہ حادث ہے، ابن البکاء نے کہا ہاں، اسحاق نے کہا تو قرآن مخلوق ہے، ابن البکاء نے کہا کہ میں اسے مخلوق نہیں کہتا۔

اسحاق بن ابراہیم نے تمام جوابات تحریر کر کے مامون کے پاس بھیج دیا، مامون نے اسحاق کو لکھا کہ تمہارا ارسال کردہ تحریر نامہ وصول ہوا اور ہمیں اس کے ذریعہ علم ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو اہل قبلہ یعنی مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اور شرف وسروری کے طالب ہیں حالانکہ وہ لوگ نہ اہل قبلہ ہیں اور نہ اہل سیاست ہیں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل نہ ہو اس کو فتوی دینے، روایت حدیث بیان کرنے اور درس قرآن دینے سے منع کردو۔ اور یہ بھی لکھا کہ بشر بن ابو ولید نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ دروغ بیانی ہے۔ امیر المومنین اور اس کے مابین کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے، امیر المومنین کا اعتقاد کلمۂ اخلاص ہے اور یہ عقیدہ کہ قرآن مخلوق ہے سب کو معلوم ہے، لہٰذا تم اس کو بلاؤ اگر اپنے عقیدہ سے تائب ہو رہے ہیں تو اعلان کریں۔ اور وہ شرک پر مصر رہیں، اور اپنے کفر واتحاد کے سبب قرآن کو مخلوق تسلیم نہیں کررہے ہیں تو ان کی گردن ماردو اور اس کا سر میرے پاس بھیجو، اب رہا ابراہیم بن مہدی کا معاملہ تو پہلے ان کا امتحان لو اگر وہ قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان کی بھی گردن ماردو۔

مامون نے اس کے علاوہ دیگر علما کے متعلق بہت کچھ سخت الفاظ لکھے اور حقارت آمیز تنقیدیں بھی کی، نیز امام احمد بن حنبل کے تعلق سے لکھا کہ احمد سے کہدو کہ خلیفہ اس کے جاہلانہ عقیدے سے واقف ہیں۔ اور وہ جان لے کہ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مامون نے اسحاق کو لکھا کہ میں نے جن جن لوگوں کا نام تحریر کیا ہے اگر وہ لوگ اپنے شرک سے باز نہ آئیں تو سوائے بشر بن ابو ولید اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے سب کے سر قلم کردو، مامون کا یہ حکم نامہ سن کر احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح اور قوادیری کے علاوہ تمام علمانے خلق قرآن کا اقرار کرلیا۔ ان چاروں حضرات کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا، پھر دوسرے روز قید خانہ میں جا کر حالت قید میں سوالات کئے، تو سجادہ نے اسی وقت اقرار کرلیا۔ اور اسحاق کے اصرار کرنے پر قوادیری نے بھی خلق قرآن کا اقرار کرلیا، اب دو حضرات احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے عقیدے پر اٹل رہے چنانچہ ان دونوں حضرات کو اسحاق بن ابراہیم نے مامون کے پاس روانہ کردیا۔

پھر مامون کو یہ خبر ملی کہ جن لوگوں نے عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کیا ہے وہ جبر وتشدد کے باعث اقرار کیا ہے اس پر مامون کو غصہ آیا اور اسحاق کو لکھا کہ جن لوگوں نے جبراً قبول کیا ہے، احمد بن حنبل کے ساتھ انہیں بھی میرے پاس روانہ کردو۔ اسحاق نے سب کو روانہ کردیا، مگر یہ لوگ ابھی مقام "رقہ" میں ہی تھے کہ مامون کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف ومہربانی فرمائی اور انہیں بڑی مصیبت سے محفوظ رکھا۔ (تاریخ الخلفاء اردو، ص ۴۲۹)

مامون نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے بعد آنے والا خلیفہ لوگوں کو عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرائے اور قاضی ابوداؤد کو اپنے دربار سے وابستہ رکھے، مامون کے بعد انتقال حکومت کی باگ ڈور (۲۱۸ھ) میں معتصم باللہ نے سنبھالی، اس نے مامون کے وصیت پر پورا پورا عمل کیا اور اس آزمائش میں بہت سے علما ظلم وستم اور مصائب کے تختہ مشق بنائے گیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امام المحدثین، سنت وشریعت کے امین نے صبر واستقلال، شجاعت وجرأت اور عزیمت کا جو بہترین نمونہ پیش فرمایا، وہ بہترین شاہکار ہے، امام احمد بن حنبل کو مقام رقہ سے بغداد لایا گیا، تین روز تک مسلسل مناظرہ کیا گیا، چونکہ آپ ایک مرکزی ہستی تھے، اس لیے معتزلہ کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح آپ سے منولیا جائے، معتزلہ کو بڑا دعویٰ تھا، لیکن جو سامنے آتا لاجواب ہوجاتا۔

جب احمد بن حنبل کو معتصم باللہ کے سامنے کیا گیا تو اس نے عبدالرحمٰن بن اسحاق کو مناظرہ کا حکم دیا تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں یا غیر مخلوق؟ امام صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اللہ کا علم مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ عبدالرحمٰن خاموش ہوگیا۔ اور کچھ جواب نہ دے سکا، اسی طرح دوسرے علما کو مناظرہ کے لئے کھڑا کیا، لیکن سب لوگ حیران وششدر رہو گئے، بالآخر معتصم باللہ نے آپ کو خلوت میں بلایا اور سمجھایا، امام صاحب نے فرمایا، ادھر ادھر کی بات چھوڑیئے، اور کتاب وسنت سے بات کیجئے، اس پر معتصم کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ پوری طاقت سے کوڑے لگائے جائیں، ۲۸؍ کوڑے لگائے گیے، ایک تازہ دم جلاد صرف دو کوڑے لگاتا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا، اور معتصم باللہ ہر بار کہتا خوب زور سے کوڑے لگاؤ۔ امام احمد بن حنبل ہر کوڑے پر فرماتے "اُعْطُوْنِیْ شَیْئاً مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ اَنْ اَقُوْلَ بِہٖ" میرے سامنے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت سے کوئی دلیل پیش کروتا کہ میں اس کو مان لوں۔ امام احمد بن حنبل کو ۲۸؍ ہفتے قید خانہ میں رکھا گیا، اس درمیان آپ کو ۳۴؍ کوڑے لگائے گیے۔ بعض کتابوں میں ہے، جب ۱۹؍ کوڑے لگ چکے تو معتصم باللہ نے بڑھ کر کہا کہ میں بخدا بیٹے سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں اقرار کرلو ابھی چھوڑ دیتا ہوں لیکن آپ صبر واستقلال کے پیکر بن کر ثبات قدمی پر کاربند رہے۔ (سیف المقلدین، ج ۲، ص ۲۸۲؍۲۸۳)

میمون بن اصبغ کا بیان ہے کہ میں بغداد میں موجود تھا کہ شور وغل کی آواز سنائی دی، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ احمد بن حنبل کی آزمائش ہورہی ہے، چنانچہ میں بھی اس مقام پر حاضر ہوا، جب آپ پر پہلا کوڑا مارا گیا تو آپ نے فرمایا "بسم الله"، اور دوسرے کوڑے پر "لاحول ولا قوة الا بالله"، کہا، تیسرے کوڑے پر فرمایا "القرآن كلام الله غير مخلوقٍ"، قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، چوتھے کوڑے پر ارشاد فرمایا "لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا" اللہ نے جتنی مصیبت ہمارے لیے لکھی اتنی ہی ملے گی۔ (التوبۃ، ۵۱؍پ ۱۰) اسی طرح آپ ہر کوڑے پر کوئی نہ کوئی آیت یا عبارت پڑھتے، بالآخر آپ کو ۲۹؍ کوڑے لگائے گئے، آپ نے کپڑے میں ازار بند ڈال رکھا تھا جو کوڑے کی ضرب سے کٹ گیا اور پائجامہ ناف سے نیچے آگیا، تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی اے میرے رب تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو میری بے ستری سے حفاظت فرمایا تو پائجامہ نیچے کے بجائے ناف کے اوپر ہوگیا۔ ایک ہفتہ بعد میں نے امام کی بارگاہ میں حاضری دی۔ اور عرض کیا کہ آپ نے آزمائش کے

وقت آسمان کی طرف دیکھ کر ہونٹوں کو حرکت دی تھی، تو اس وقت کیا پڑھا تھا، فرمایا " اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ مَلَأْتَ بِہِ الْعَرْشَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ عَلٰی الصَّوَابِ فَلَا تَھْتِکْ لِیْ سَتْرًا" اے اللہ میں ترے نام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں جس سے تو نے عرش کو پر رکھا ہے اگر ترے نزدیک میں حق پر ہوں تو میرا بے ستری نہ ہونے دے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۲)

۱۹؍ربیع الاول بروز دوشنبہ (۲۲۷ھ) میں معتصم باللہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے واثق باللہ نے حکومت کی زمام سنبھالی، اس کا بھی رویہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ گرچہ اپنے والد کی طرح سفاکانہ نہ رہا۔ اور اس نے آپ کو جسمانی اذیت دینے گریز کیا مگر اس نے آپ کو لوگوں سے مل جل کر رہنے سے روک دیا تھا اور امام صاحب کے لیے یہ حکم جاری کر دیا کہ " تمہارے پاس کسی کو ملنے اور آنے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں میرا قیام ہے۔

اس حکم کے بعد حضرت امام احمد بن حنبل اپنے گھر میں محصور ہو گیے حتی کہ نماز وغیرہ کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، آپ کا دور ابتلاء وآزمائش یوں ہی گزرتا رہا، یہاں تک کہ ماہ ذی الحجہ (۲۳۲ھ) میں واثق باللہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور متوکل باللہ نے زمام اقتدار سنبھالا۔ اسی کے ساتھ معتزلیوں کا سورج ڈھلنے لگا۔ اور احیاء سنت کا دور شروع ہوا۔ اور اس فتنے کا اثر بالکل ختم ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص ۳۳۵)

اس عظیم آزمائش میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جس ہمت وجوانمردی کا ثبوت پیش کیا ہے اس سے ان کی شہرت ومقبولیت میں اور اضافہ ہو گیا۔ جس طرح سونا دہکتے انگاروں پر جلنے کے بعد نکھر جاتا ہے یوں ہی حضرت امام احمد بن حنبل کی شخصیت اس آزمائش سے گزرنے کے بعد کندن ہو گئی اور دین حق کا پرچم سر بلند رکھا سرنگوں نہ ہونے دیا، دوسرے کار ہائے خیر میں امام احمد بن حنبل کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک ملتے ہیں، لیکن اس میدان میں آپ یکتا اور تنہا نظر آتے ہیں، آپ کے دیگر ساتھیوں نے تقیہ کا سہارا لے کر اپنی جان بخشی کروالی، لیکن آپ نے تقیہ کا سہارا لینے کو مناسب نہیں سمجھا، بلکہ عزیمت کی تصویر بنے رہے، آپ کے چچا اسحاق بن حنبل جو آپ کی رہائی کے لیے کوشاں تھے، انہوں نے کہا بھتیجے تمہارے ساتھی چھوٹ گیے اور تم قید کی مصیبت جھیل رہے ہو تم بھی اقرار کر لو، آپ نے فرمایا، اے چچا جان! جاہل لوگ تو خیر ناواقف ہی ہیں، لیکن جب علما تقیہ کا سہارا

لیں گے تو آخر حق کس طرح واضح ہوگا، اس جواب پر آپ کے چچا اسحاق کو لا جواب ہونا پڑا، تین جابر و ظالم حکمرانوں کے ظلم وتشدد اور غیر معمولی مشکلات کے باجود عزیمت وپامردی میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ ہی کوئی چیز آپ کو حق گوئی اور بے باکی سے روک سکی۔

مشہور محدث اور امام بخاری کے استاذ حضرت امام علی بن مدینی ارشاد فرماتے ہیں " اِنَّ اللّٰہَ اَعَزَّ ھٰذَا الدِّیْنَ بِرَجُلَیْنِ لَیْسَ لَھُمَا ثَالِثٌ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ یَوْمَ الرِّدَّۃِ، وَاَحْمَدُبْنُ حَنْبَلَ یَوْمَ الْمِحْنَۃِ" اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو آدمیوں کے ذریعہ اعزاز بخشا، ان دو کے علاوہ تیسرے کو یہ منصب حاصل نہ ہوا، ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں آزمائش کے موقع پر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ۔ (تاریخ بغداد، ج۴، ص ۴۱۸)

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تقلید کی اہمیت

مصر کے ایک مشہور قلم کار ڈاکٹر شوقی ضیف نے دانستہ یا نادانستہ طور پر عصر حاضر کے " وہابیوں " کو حنبلی المذہب بتایا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ " غَیْرُ اَنَّ مَذْھَبَہٗ لَمْ یَکْتُبْ لَہُ الْاِنْتِشَارُ کَمَا کَتَبَ لِلْمَذَاھِبِ الثَّلَاثَۃِ السَّالِفَۃِ، وَاِنْ کَانَ قَدْ اِزْدَھَرَ حَدِیْثًا بَیْنَ الْوَابِیِّیْنَ" مگر امام احمد بن حنبل کا مذہب سابقہ تین مذاہب کی طرح رواج نہ پاسکا گرچہ عصر حاضر میں وہابیوں کے درمیان اس مذہب کی ترقی ہوئی۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج۲، ص ۶۴)

اس تحریر کے پس منظر میں وہابیوں کا وہ شور شامل ہے جس کا راگ وہ الاپتے رہتے ہیں اور ایک طرف تو اپنے حنبلی ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور دوسری طرف تقلید اور دوسری ضروریات دین کا مذاق اڑاتے ہیں، درحقیقت یہی مزاج متضاد غالی سلفیت کے فکری اضطراب کا عکاس ہے، اب ہم پیش کرتے ہیں امام کی چند ایسی فکریں جن سے خود بخود وہابیت کے حنبلی تانے بانے ان سے بیزار دکھائی دیں گے۔

ابن قیم نے " اعلام الموقعین " میں حضرت امام احمد بن حنبل کے متعلق تحریر کیا ہے " وَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ لِبَعْضِ اَصْحَابِہٖ اِیَّاکَ اَنْ تَتَکَلَّمَ فِیْ مَسْأَلَۃٍ لَیْسَ لَکَ فِیْہِ اِمَامٌ" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا! خبردار کسی ایسے مسئلے میں کلام مت کرنا جس میں تمہارا کوئی امام نہ ہو۔ (تاریخ عربی ادب، ص ۱۳۲)

اس کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فتاوی کے متعلق سے آپ کا محتاط موقف تقلید کے لیے روشن دلیل ہے کہ آپ اس وقت تک اجتہاد وقیاس کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے جب تک کہ آپ کے سامنے نصوص یا صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فتاوی موجود ہوتے، بلکہ ایسی صورت میں صحابہ اور تابعین یا کسی بڑے امام کے مقلد ہوتے، ہاں جب یہ سب باتیں نہیں پائی جاتیں، تو اس وقت قیاس واجتہاد سے کام لیتے پھر آپ اجتہادی رائے قائم فرماتے، جس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ایک بڑے مجتہد اور صاحب مذہب فقیہ تھے وہیں آپ کے عمل وسلوک سے تقلید کا بھی ثبوت ظاہر ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تبرکات کا مقام

عام طور پر دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ وہابی اور دیوبندی تبرکات کی توہین کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں، اولیاے کرام اور بزرگان دین کے آثار وتبرکات کی تعظیم سے اس گروہ کو ہمیشہ شرک وبدعت ہی کی بو محسوس ہوتی ہے، ایسی نشانیوں کو مٹانا، ان کے خلاف بھڑکانے پر تحریک چھیڑنا جن سے بزرگوں کی محبت کی خوشبو پھوٹے، اس گروہ کا اولین مقصد اور جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے، مگر آیئے دیکھیں تبرکات کے متعلق سے اسی ذات بابرکت کا موقف کیا ہے، جس کی طرف یہ لوگ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ابتلاء کے ایام میں خلیفہ کے حکم سے ٹکٹکی (سزا دینے کی جگہ) کے پاس لے جاکر کھڑا کیا گیا۔ جلادوں نے آگے بڑھ کر کرتا آپ کے جسم مبارک سے اتار لیا اور کرتے میں ایک طرف کوئی چیز بندھی ہوئی نظر آئی، تو آپ سے پوچھا گیا اس میں کیا چیز بندھی ہوئی ہے، آپ نے جواب دیا کہ اس میں میری زندگی کا سب قیمتی سرمایہ ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک ہیں جو مجھے ابن الفضل بن ربیع نے بطور عطیہ دیئے تھے۔ (ابن حنبل لابی زہرۃ، ص۲۰۱)

سبحان اللہ، چہ نسبت خاک را با عالم پاک، یہ ہے ستودہ صفات ہستی جس کی آقائے دو جہاں ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا، لیکن آج کل اپنے آپ کو حنبلی کہنے والے جیسے حضرات اسی ذات گرامی باوقار کے روضے کی زیارت میں شرک نظر آتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا کذب وافتراء ہے؟

امام احمد بن حنبل کی وفات

آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد احمد بن حنبل کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ چاشت کے وقت یارات میں ہوا۔ اس وقت عمر شریف بروایت مختلف ۷۵ رسال کی تھی، آپ کو شہیدوں کے قبرستان مقابر الشہداء میں حرب کے دروازے کے قریب دفن کیا گیا، محمد بن طاہر نے نماز جنازہ کے فراغت کے بعد شرکاء کے تخمینہ کا حکم دیا، تو آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ آپ کی نماز جنازہ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے پڑھائی، بھیڑ کی وجہ سے آپ کی نماز جنازہ کئی مرتبہ پڑھی گئی، بلکہ بعد تدفین قبر پر بھی پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تدفین کا سلسلہ نماز عصر کے بعد تک چلتا رہا۔ آپ کا مزار مقدس اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۵۷۴ھ) میں خلیفہ مستضی باللہ نے آپ کے قبر مبارک پر ایک کتبہ لگوایا جس میں اس یگانہ روزگار محدث کو سنت کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراہا گیا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج۲، ص۶۴)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا پر ہم اپنی کتاب کا اختتام کرتے ہیں "اے اللہ! ہمارا حشر ان کے ساتھ فرما کیوں کہ ہمیں ان سے محبت ہے اور جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے اور ہمیں ان کے حلقے میں داخل فرما اور ہمیں ان کا خادم بنا اور ہم پر ان کے بہترین حالات اور کثیر کرامات واضح فرما تا کہ ہم ان کے پیروکاروں میں ہوجائیں۔ بے شک تو سخی، کریم، مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام.

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ ۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوب بندوں کی محبت مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہونچا دے۔ (ترمذی)

آمِیْنْ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ